مجالسِ رمضان
دورِ حاضر

دورِ حاضر کے فتنے

حضرت مولانا عبدالستار صاحب زیدمجدہم

مکتبہ فہم دین (وقف)

❖ نام کتاب: دور حاضر کے فتنے

❖ مواعظ: حضرت مولانا عبدالستار صاحب زید مجدہم

❖ ترتیب: محمد جنید انور

❖ تاریخ طبع: رمضان المبارک، ۱۴۲۹ ہجری

❖ تعداد: ۱۱۰۰

❖ ناشر: مکتبہ فہم دین (وقف) ڈیفنس فیز ۴

ملنے کا پتہ

مکتبہ فہم دین (وقف) نزد جامع مسجد بیت السلام ڈیفنس فیز ۴۔ کراچی

فون: 021-4255122 - 2029184

www.fahmedeen.org

فہرست

مقدمہ

یہ دور مادی اعتبار سے زبردست ترقی کا ہے لیکن ساتھ میں فتنوں کا بھی ایک سیلِ رواں ہے جو بہا چلا آرہا ہے۔ ایک فتنہ ختم نہیں ہوتا کہ دوسرا منہ کھولے کھڑا ہوتا ہے، اور ہر نیا فتنہ پچھلے فتنے سے بڑھ کر ہوتا ہے۔ آج پوری دنیا "دارالفتن" بنی ہوئی ہے۔ جدھر نظر اٹھائیے فتنے ہی فتنے ہیں جن سے بچنا محال نہیں تو مشکل ضرور ہے۔

ہمارے آقا جناب رسول اللہ ﷺ نے پہلے ہی امت کو ان فتنوں سے آگاہ کر دیا تھا اور ان سے بچنے کی تلقین فرمائی تھی۔ حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ پیغمبر ﷺ نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے ارشاد فرمایا:

"تعوذوا باللہ من الفتن ما ظہر منہا وما بطن"

([illegible])

اللہ تعالیٰ سے ظاہری اور پوشیدہ فتنوں سے پناہ مانگا کرو۔

صحابہ کرام ﷺ نے فوراً اس حکم کی تعمیل کی اور یہ دعا مانگی:

"نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَھَرَ مِنْھَا وَمَا بَطَنَ" (مسلم)

ہم اللہ سے ظاہری اور پوشیدہ فتنوں سے پناہ چاہتے ہیں۔

اس لئے ہر مسلمان کو ہر وقت فتنہ سے ڈرنے کی ضرورت ہے۔

آج ہر طرف فتنوں کا دور دورہ ہے، عقائد کے اعتبار سے فتنوں کی ایک لمبی فہرست ہے۔ باطل فرقے اپنے تمام اسباب و وسائل امت کو گمراہ کرنے میں استعمال کر رہے ہیں، اور باطل کی ملمع سازیاں اس قدر فتنہ انگیز ہیں کہ بہت سے ناواقف لوگوں کے لئے حق اور باطل میں امتیاز کرنا مشکل ہو گیا ہے۔

اسی طرح معاصی اور منکرات کے فتنے بھی روز بروز ترقی پا رہے ہیں۔ نبی کریم ﷺ کے اس ارشاد کہ

"مَا تَرَكْتُ بَعْدِیْ فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ"

(متفق علیہ، مشکوٰۃ کتاب النکاح ص ۲۶۷)

"میں نے اپنے بعد مردوں کے لئے عورتوں سے زیادہ نقصان دہ کوئی فتنہ نہیں چھوڑا"

کی صداقت کھل کر سامنے آ رہی ہے۔ جدھر نظر ڈالئے عریانیت اور فحاشی کے مناظر سامنے آتے ہیں، انسان لذتوں میں اتنا مدہوش ہے کہ اسے اپنی انسانیت کا پتہ ہی نہیں رہا اور اخلاق و اوصاف کے اعتبار سے وہ جانوروں کی صف میں داخل ہو گیا ہے۔

اسی طرح گھریلو فتنے بھی کم نہیں ہیں۔ میاں بیوی کے جھگڑے، ساس بہو اور نندوں کے اختلافات، ماں باپ اور اولاد کے درمیان ناچاقیاں اور ایک

دوسرے کی حق تلفیاں عام ہیں جس کی وجہ سے گھروں کا سکون تباہ ہوتا جارہا ہے۔ یہی حال رشتہ داریوں کی ناقدری کا ہے۔ آج بھائی بھائی میں بگاڑ ہے۔ دوسروں سے دوستی اور محبت اور اپنوں سے نفرت اور دوری فیشن بن چکی ہے۔ کوئی شخص اپنی انا چھوڑنے کے لئے تیار نہیں اور ذرا ذرا سی باتوں کو بنیاد بنا کر دیرینہ تعلقات کا خون کر دینے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتا۔

ارباب اقتدار اپنے اقتدار کے نشہ میں ماتحتوں کے ساتھ ایسا ''ذلت آمیز رویہ'' اختیار کرتے ہیں جس سے لوگوں کے دل ٹوٹ جاتے ہیں اور دلوں میں نفرت کے جراثیم پروان چڑھنے لگتے ہیں۔ ارباب اقتدار ان نزاکتوں کا احساس نہیں کر پاتے تا آنکہ پانی سر سے اونچا ہو جاتا ہے اور پھر فتنہ سنبھالے نہیں سنبھلتا۔

عموماً فتنوں کی ابتدا خفیہ سرگوشیوں سے ہوتی ہے، اور چھپے چھپے فتنوں کا مواد تیار کیا جاتا ہے کہ جب وہ پھٹتا ہے تو اس کے تعفن سے ماحول بدبودار بن جاتا ہے۔ حضرت ابو الدرداء رضی اللہ عنہ کی روایت میں یہ الفاظ وارد ہیں:

"وَاِنَّ الْفِتْنَةَ تُلْقَحُ بِالنَّجْوٰى وَتُنْتَجُ بِالشَّكْوٰى فَلَا تُثِيْرُوْهَا اِذَا حَمِيَتْ وَلَا تَعَرَّضُوْا لَهَا اِذَا عَرَضَتْ" (کنز العمال [illegible])

فتنہ سرگوشیوں سے پروان چڑھتا ہے اور اسے شکوے شکایت جنم دیتے ہیں۔ لہٰذا جب فتنہ گرم ہو تو اسے مت بھڑکاؤ اور جب وہ سامنے آئے تو آپ سے چھیڑ چھاڑ نہ کرو۔

احادیث شریفہ میں اس شخص کی سخت مذمت وارد ہوئی ہے جو سوئے

ہوئے فتنہ کو جگا دے یعنی جس کی ناعاقبت اندیشی اور غلط حکمت عملی سے سویا ہوا فتنہ جاگ جائے اور اس کی بنا پر لوگ آزمائش میں مبتلا ہو جائیں، وہ شخص قابلِ لعنت ہے۔ پیغمبر ﷺ کا ارشاد ہے:

" اَلْفِتْنَةُ نَائِمَةٌ لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اَيْقَظَهَا " (کنز العمال، جلد ۱۱، ص ۶۷)

فتنہ سو رہا ہے، جو شخص اس کو جگا دے اس پر اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے۔

جب فتنے سر اٹھاتے ہیں تو بڑے بڑے دانشمندوں سے ایسی باتیں صادر ہو جاتی ہیں جو عقل و خرد سے بالکل دور ہوتی ہیں اور جن کا انجام بعد میں سوائے حسرت و افسوس اور ندامت کے کچھ نہیں ہوتا، لیکن اس وقت اتنا نقصان ہو چکا ہوتا ہے جس کی تلافی بعد میں نہیں ہو پاتی۔

نبی اکرم ﷺ کا ارشاد ہے:

" تَكُوْنُ فِتْنَةٌ تَعْرُجُ فِيْهَا عُقُوْلُ الرِّجَالِ حَتّٰى مَا تَكَادُ تَرٰى رَجُلًا عَاقِلًا " (الفتن لنعیم بن حماد، ص ۳۳)

(ترجمہ) ایسا فتنہ رونما ہوگا جس میں لوگوں کی عقلیں خراب ہو جاتی ہیں، یہاں تک کہ کوئی عقلمند آدمی دکھائی نہیں دیتا۔

ایسے پرفتن ماحول میں انسان کو چاہئے کہ وہ جہاں تک ہو سکے اپنے آپ کو فتنوں سے بچائے رکھے اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ ارشاد فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا:

" سَتَكُوْنُ فِتَنٌ اَلْقَاعِدُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْقَائِمِ وَالْقَائِمُ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ الْمَاشِيْ وَالْمَاشِيْ فِيْهَا خَيْرٌ مِّنَ السَّاعِيْ مَنْ تَشَرَّفَ لَهَا تَسْتَشْرِفْهُ فَمَنْ وَجَدَ مَلْجَأً اَوْ مَعَاذًا فَلْيَعُذْ بِهٖ " (بخاری، کتاب الفتن)

عنقریب فتنے رونما ہوں گے، ان فتنوں کے زمانہ میں بیٹھنے والا کھڑے ہوئے شخص سے اور کھڑا ہوا شخص پیدل چلنے والے سے اور پیدل چلنے والا دوڑنے والے سے بہتر ہوگا۔ جو شخص ان فتنوں کی طرف متوجہ ہوگا وہ فتنے اس کو اپنی طرف متوجہ کرلیں گے (ان حالات میں) جو شخص ان فتنوں سے پناہ کی جگہ پائے وہ ان سے پناہ حاصل کرلے۔

درحقیقت آپ ﷺ نے چودہ سو سال پہلے ہی اس قسم کے حالات کی خبر دے دی تھی جو آج ہمیں درپیش ہیں۔ ان حالات کو آپ ﷺ نے اپنی امت کے لئے پسند نہیں فرمایا۔ فتنوں سے متعلق احادیث میں ان کے وقوع کے ساتھ ساتھ اس بات کی وضاحت بھی ہے کہ ان فتنوں کے دوران ایک مسلمان کو اپنے دین اور آخرت کی حفاظت کے لئے کیا لائحہ عمل اپنانا چاہئے۔

دورِ حاضر میں فتنوں کی تخلیق اور پیدائش اس قدر تیزی سے ہو رہی ہے کہ ہر صبح اپنے دامن میں ایک نیا فتنہ لے کر نمودار ہوتی ہے۔ فتنوں کی برسات میں مسلمانوں کے لئے نجات اور بچاؤ کا واحد ذریعہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایات، تعلیمات اور ارشادات ہیں۔

ان حالات میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسے علم ہو کہ ایسے حالات سے نبرد آزما ہونے کی نبوی تعلیمات کیا ہیں؟ اور ہم کس طرح ان پر عمل کرکے اپنے ایمان، یقین، مذہب، ذات، معاشرے، ماحول، گھر اور اولاد کو موجودہ دور کے فتنوں سے بچا سکتے ہیں۔

اسی نیت سے اس کتاب کی اشاعت کی گئی ہے اور اس میں موجودہ دور

کے بڑے اور مؤثر فتنوں کا احاطہ اور ان سے بچنے کے نبوی لائحہ عمل کو بیان کیا گیا ہے۔

اس پرفتن دور میں یہ کتاب ہر مسلم گھرانے کی ضرورت ہے تاکہ اس کے آئینے میں ہم سب اپنی موجودہ صورت وحالت دیکھ کر اپنے لیے راہِ عمل متعین کر سکیں۔

ابو عفراء عبد الستار

فتنہ کیا ہے؟

فتنہ درحقیقت عربی زبان کا لفظ ہے مگر اردو زبان میں بھی عام استعمال
کیا جاتا ہے۔ اس کے مختلف معانی ہیں۔ قرآن کریم میں بھی فتنہ کے
لفظ کو مختلف معانی میں استعمال کیا گیا ہے۔ عمومی طور پر اس کے معنی
امتحان، جانچنا، پرکھنا اور آزمائش کرنا کے آتے ہیں۔

سے نمٹنے کا طریقہ اور ان سے بچنے کا طریقہ بھی بتایا گیا ہے۔

فتنہ کا معنی

فتنہ کا لفظ اردو زبان میں بھی مستعمل ہے اور اسے روزمرہ کی عام بول چال میں بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ جیسے کہا جاتا ہے کہ یہ فتنہ کا دور ہے۔ جب بھی کوئی مشکل آتی ہے، پریشانی آتی ہے تو کہتے ہیں کہ بڑا فتنے کا دور ہے۔ عربی زبان کے اندر یہ فتنہ کا لفظ بہت وسیع معنی رکھتا ہے۔

عربی زبان میں فتنہ کے معنی آتے ہیں امتحان، جانچنا، پرکھنا اور آزمائش کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿وَنَبْلُوكُمْ بِالشَّرِّ وَالْخَيْرِ فِتْنَةً﴾ (سورۃ الانبیاء: ۳۵)

ہم تمہیں خیر (بھلائی) اور شر (برائی) سے فتنے (آزمائش) کے طور پر آزماتے ہیں۔

جب سونے کو بھٹی میں ڈال کر اس کا خالص پن اور کھوٹ معلوم کیا جاتا ہے تو اس عمل کے لئے بھی فتنہ کا لفظ استعمال ہوتا ہے، اس لئے کہ اسے بھٹی میں ڈال کر، انتہائی گرم آگ پر پگھلا کر اس کی اصل حقیقت معلوم کی جاتی ہے۔ اسی طرح فتنہ کے ذریعے مؤمن اور منافق کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے۔ صبر کرنے والے اور بے صبری کرنے والے کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے، شکر کرنے والے اور ناشکری کرنے والے کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے، اللہ کی رضا پر راضی رہنے والے اور شکوے شکایت کرنے والے کے درمیان فرق معلوم ہوتا ہے۔ اس فتنہ کے

ذریعے اللہ پاک مختلف طریقوں سے اپنے بندوں کی آزمائش کرتے ہیں۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ ہم کبھی دولت دے کر آزماتے ہیں اور کبھی فقیر بنا کر آزماتے ہیں۔ کبھی صحت دے کر آزماتے ہیں اور کبھی بیمار بنا کر آزماتے ہیں۔ کبھی ماتحت رکھ کر آزماتے ہیں اور کبھی حاکم بنا کر آزماتے ہیں۔ کبھی اولاد دے کر آزماتے ہیں اور کبھی اولاد لے کر آزماتے ہیں۔ کبھی اچھے حالات میں رکھ کر آزماتے ہیں اور کبھی برے اور ناساز گار حالات کے ذریعے آزماتے ہیں۔

یہ سب آزمائشیں ہمیشہ رہی ہیں اور روز قیامت تک رہیں گی۔ آزمائشوں کا یہ سلسلہ ایک ادنیٰ انسان سے لے کر ایک بڑھیا (اعلیٰ) انسان یہاں تک کہ کائنات کی افضل ترین شخصیت محمد ﷺ پر بھی آیا ہے۔ اس کے علاوہ انبیاء علیہم السلام پر بھی مختلف قسم کی آزمائشیں آئی ہیں۔

عربی زبان میں فتنہ کا لفظ آزمائش کے معنی میں آتا ہے اور یہ آزمائش اچھی حالت کے اندر بھی ہوتی ہے اور بری حالت میں بھی ہوتی ہے۔ عطاء کے اندر بھی ہوتی ہے اور محرومی کے اندر بھی ہوتی ہے۔ ہر قسم کی آزمائش اس فتنہ میں داخل ہے۔ فتنوں کا ایک وسیع باب ہے جس کے متعلق حضور ﷺ نے بے شمار ارشادات فرمائے ہیں۔ وہ اس لئے کہ عموماً جب آدمی آزمائش کے اندر پڑتا ہے تو اس میں کامیابی کے لئے اسے بہت بڑا حوصلہ درکار ہوتا ہے اور بڑے حوصلے والا ہی ان فتنوں کے اندر کامیاب ہوتا ہے، ورنہ بڑے بڑے لوگ ناکام ہو جایا کرتے ہیں، شکست کھا جایا کرتے ہیں۔ اگر اللہ کچھ دے رہا ہو تو سب ہی کہتے ہیں الحمد للہ اور

جب اللہ تعالیٰ کچھ لے رہا ہو تو اس وقت حالت بدلی ہوئی ہوتی ہے۔ اس وقت الحمدللہ کہنا بڑے دل گردے کی بات ہے۔

عہدِ نبوت میں ایک شخص کے ہاں چوری ہوگئی تو ایک صحابیٔ رسول اظہارِ افسوس کے لئے گئے۔ وہاں جا کر انہوں نے کہا کہ بھائی آپ کے ہاں چوری ہوگئی ہے تو صاحبِ خانہ نے کہا کہ الحمدللہ۔ صحابیٔ رسول نے کہا: ارے تمہارے گھر چوری ہوگئی ہے اور تم الحمدللہ کہہ رہے ہو۔ اس شخص نے کہا: میں الحمدللہ اس لئے کہہ رہا ہوں کہ مال کی چوری ہوئی ہے مگر ایمان تو سلامت ہے۔ مال کی چوری ہوئی ہے لیکن صحت تو محفوظ ہے۔ مال گیا ہے اس سے زیادہ بھی جا سکتا تھا، اس سے بھی بڑی آزمائش آ سکتی تھی لیکن اللہ تعالیٰ نے اس سے محفوظ رکھا ہے۔

اس لئے میرے عزیزو! بڑی بصیرت کی ضرورت ہوتی ہے کہ آزمائش کے اندر بھی مولیٰ کا در نہ چھوٹے۔ ہم تو بڑے بے صبرے ہیں ذرا سی پریشانی آ جائے تو ایسے لگتا ہے کہ ساری دنیا کی آزمائشیں سمٹ کر ہمارے اوپر ہی آ گئی ہیں حالانکہ عین اس آزمائش کے اندر ہوتے ہوئے بھی ہم اللہ تعالیٰ کی ہزاروں، لاکھوں نعمتیں استعمال کر رہے ہوتے ہیں۔

حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کے سر میں شدید درد تھا۔ کسی نے کہا کہ حضرت آپ کو تکلیف ہے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا:

" اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ عَلٰی کُلِّ حَالٍ "

اللہ کا ہر حال میں شکر ہے کہ کھانے کا راستہ تو سلامت ہے، قضائے حاجت کا راستہ بھی سلامت ہے، دماغ بھی الحمدللہ سلامت ہے، صرف ذرا سا سر

میں ورد ہے۔ تو میرے بھائیو! سبق کا ایک انداز یہ بھی ہے کہ ہر حال میں اللہ کا شکریہ ادا کیا جائے۔

چونکہ آزمائش کے اندر رہ کر مولیٰ کو راضی کرنا اور مولیٰ کا بن کر رہنا دل گردے کی بات ہے، اس میں بڑے بڑے لوگ پھسل جایا کرتے ہیں، ہمت ہار جایا کرتے ہیں، حوصلہ چھوڑ دیا کرتے ہیں، اس لئے پیارے رسول ﷺ نے اس موضوع پر تفصیل سے احکامات بیان فرمائے ہیں، مکمل تفصیل سے ارشادات فرمائے ہیں اور امت کو راہنمائی فراہم کی ہے تاکہ امت فتنوں اور آزمائشوں کے موقع پر حوصلہ نہ ہار بیٹھے، اور اس کے قدم ڈگمگا نہ جائیں۔

بسا اوقات اللہ تعالیٰ کسی آزمائش اور امتحان کے ذریعے آدمی کو بہت اونچا مقام عطا کرنا چاہتے ہیں۔ ایسے موقع پر جب یہ بندہ ناشکری کرتا ہے اور رب کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تو آزمائش پھر بھی جاری رہتی ہے لیکن یہ بندہ اجر وثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ بیماری تو پھر بھی آ کر رہتی ہے، وہ تو اپنے وقت پر جاتی ہے لیکن اس کی ناشکری کی وجہ سے یہ ہوتا ہے کہ بیماری تو باقی رہتی ہے اور یہ شخص اس پر ملنے والے اجر وثواب سے محروم ہو جاتا ہے۔ اولاد میں کوئی آزمائش آ گئی تو وہ تو اپنے مقررہ وقت تک رہتی ہے لیکن یہ شکوے شکایت کر کے اپنا دامن خالی کر بیٹھتا ہے۔ اس کے مال میں، کاروبار میں جو تکلیف آئی ہے وہ آ کر رہے گی لیکن یہ بندہ آزمائش سے گھبرا کر مولیٰ کا در چھوڑ دیتا ہے، مولیٰ کا دامن چھوڑ دیتا ہے، اللہ کی دوستی کو چھوڑ دیتا ہے، اس کا نقصان یہ ہوتا ہے کہ وہ مصیبت تو اپنے وقت تک رہتی ہے لیکن اس پر اسے کوئی اجر وثواب نہیں ملتا۔ اور اگر یہی بندہ آزمائش آنے پر مولیٰ کو راضی کر لے تو

اسے دوہرا فائدہ حاصل ہوتا ہے۔ ایک تو آزمائش ہلکی ہو جاتی ہے اور دوسرے اللہ تعالیٰ بندے کو اس پر بہت سے انعامات عطا کر دیتے ہیں۔

قرآن میں فتنہ کے معانی

قرآن مجید میں بھی فتنہ کا لفظ کئی بار استعمال ہوا ہے اور ہر مقام پر سیاق و سباق اور استعمال کے لحاظ سے اس کا معنی علیحدہ علیحدہ ہے۔

فتنہ بمعنی شرک

کہیں فتنہ کا معنی "شرک" آیا ہے جیسے فرمایا:

﴿وَقَاتِلُوهُمْ حَتَّى لَا تَكُونَ فِتْنَةٌ وَيَكُونَ الدِّينُ لِلَّهِ﴾ (البقرة: ۱۹۳)

ان کافروں سے (مشرکوں سے) قتال کرو یہاں تک کہ فتنہ باقی نہ رہے (شرک باقی نہ رہے) اور دین خالص اللہ کے لئے ہو جائے۔

یہاں فتنہ کے معنی "شرک" کے ہیں۔

فتنہ بمعنی کفر

کہیں فتنہ کے معنی "کفر" کے آتے ہیں جیسے ارشاد خداوندی ہے:

﴿فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُونَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاءَ الْفِتْنَةِ﴾ (آل عمران۔)

جن لوگوں کے دلوں کے اندر کجی ہوتی ہے تو وہ متشابہ چیزوں میں سے فتنہ (کفر) تلاش کرتے ہیں۔

اس آیت میں فتنہ کا لفظ "کفر" کے معنی میں استعمال ہوا ہے۔

فتنہ بمعنی آزمائش

بعض مقامات پر فتنہ کے معنی ”آزمائش“ کے آتے ہیں جیسے اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

﴿أَحَسِبَ النَّاسُ أَنْ يُتْرَكُوا أَنْ يَقُولُوا آمَنَّا وَهُمْ لَا يُفْتَنُونَ﴾

(سورۃ العنکبوت ۲)

کیا ایمان والوں نے یہ گمان کیا ہے کہ وہ صرف یہ کہنے سے کہ ہم ایمان لے آئے (چھوٹ جائیں گے) اور ان کی آزمائش نہیں ہوگی۔

اگر ایمان والے ایسا سوچتے ہیں تو ان کی یہ سوچ اور خیال درست نہیں ہے اس لئے کہ اللہ تعالیٰ آزمائش کے ذریعے خبیث کو اچھے سے الگ کردیں گے، کھرے اور کھوٹے کی پہچان تو ہوگی، مخلص اور منافق کا پتہ تو چلے گا۔ اللہ تعالیٰ کا واضح فرمان ہے کہ

﴿لِيَمِيزَ اللَّهُ الْخَبِيثَ مِنَ الطَّيِّبِ﴾ (الانفال: ۳۷)

تاکہ جدا کردے اللہ تعالیٰ ناپاک کو پاک سے۔

یہ آیت اس وقت اتری تھی جب کافروں نے حضرات صحابہؓ پر ظلم وستم کے پہاڑ ڈھا رکھے تھے اور پہاڑوں جیسے مضبوط ایمان رکھنے والے یہ لوگ (صحابہ کرامؓ) بھی لرزنے اور کانپنے لگے تھے اور انہوں نے حضور ﷺ سے پوچھا تھا کہ یہ سلسلہ کب ختم ہوگا؟ اس کے جواب میں یہ آیت اتری تھی کہ ایمان کے بعد پھر آزمائش تو ہوگی۔ حضور ﷺ نے اپنے ساتھیوں سے کہا کہ تم پر تو کچھ آزمائش بھی نہیں ہے۔ پچھلی امتوں میں جو لوگ صاحب ایمان ہوتے تھے ان کی آزمائش تو اس سے کہیں زیادہ بڑھ کر ہوتی تھی۔ ان امتوں میں صاحب ایمان آدمی کے لئے گڑھا

کھودا جاتا تھا اور اسے اس گڑھے میں زندہ گاڑ کر اس کے سر پر آری رکھ دی جاتی تھی اور پھر اس سے کہا جاتا تھا کہ اللہ کے دین سے دستبردار ہو جاؤ۔ اگر وہ صاحب ایمان آدمی انکار کر دیتا تو آری سے اس کے دو ٹکڑے کر دیئے جاتے تھے اور بسا اوقات تو زندہ حالت میں اس کی کھال کھنچوا دی جاتی تھی۔

وہ تو مضبوط ایمان والے تھے جو اتنی بڑی آزمائشوں سے گزر گئے، ہم تو کمزور ہیں، اللہ سے ہمیشہ عافیت مانگتے ہیں، ہم آزمائشوں کے قابل نہیں ہیں لیکن ہر شخص کا جتنا ظرف ہوتا ہے اس کے مطابق اس کی آزمائش ہوتی رہتی ہے۔

قرآن کریم کی آیت ہے۔

﴿وَلَنَبْلُوَنَّكُم بِشَيْءٍ مِّنَ الْخَوْفِ وَالْجُوعِ وَنَقْصٍ مِّنَ الْأَمْوَالِ وَالْأَنفُسِ وَالثَّمَرَاتِ وَبَشِّرِ الصَّابِرِينَ﴾ (سورۃ البقرۃ ۱۵۵)

اور البتہ ہم آزمائیں گے تم کو تھوڑے سے ڈر (خوف) اور بھوک اور مالوں اور جانوں اور پھلوں کے نقصان سے، اور (آپ) صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دیجئے۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں سے خطاب کیا ہے کہ ہم تمہاری آزمائش کریں گے تھوڑا سا دشمن کا خوف دے کر کہ دین پر چلو گے تو دشمن تمہیں ختم کر دیں گے۔ حلال کھاؤ گے تو کچھ تنگی آئے گی، حلال کھانے میں آمدنی کم ہو جائے گی۔ دین کے راستے پر چلو گے تو مشکلات اور مصائب کا سامنا ہوگا اور آزمائش کی ان گھڑیوں میں جو ثابت قدم رہیں گے اور صبر کریں گے ان کے لئے خوشخبری ہے کہ اللہ پاک نے اس کے بدلے بہت کچھ تیار کر رکھا ہے۔

تو فتنہ کے ایک معنی ''آزمائش'' کے ہیں، قرآن کریم میں یہ اس معنی میں بھی استعمال

ہوا ہے۔

فتنہ بمعنی عذاب

قرآن میں بعض مقامات پر فتنہ کا لفظ ''عذاب'' کے معنی میں بھی استعمال

ہوا ہے جیسے فرمان باری تعالیٰ ہے:

﴿ثُمَّ اِنَّ رَبَّکَ لِلَّذِیْنَ ھَاجَرُوْا مِنْ بَعْدِ مَا فُتِنُوْا﴾ (سورۃ النحل ۱۱۰)

وہ لوگ جنہوں نے مصیبت (عذاب) میں گرفتار ہونے کے بعد ہجرت کی۔

تو یہاں فتنہ کے معنی ''عذاب'' کے ہیں۔ اسی طرح ایک دوسری جگہ آتا ہے:

﴿وَمِنَ النَّاسِ مَنْ یَّقُوْلُ اٰمَنَّا بِاللّٰہِ فَاِذَا اُوْذِیَ فِی اللّٰہِ جَعَلَ فِتْنَۃَ

النَّاسِ کَعَذَابِ اللّٰہِ﴾ (سورۃ العنکبوت ۱۰)

اور لوگوں میں سے بعض وہ لوگ ہیں جو کہتے ہیں کہ ہم اللہ پر ایمان لائے

پھر جب ان کو اللہ کی راہ میں ایذا پہنچی تو وہ (لوگوں کے تنگ کرنے اور

ایذا دینے کو) اللہ کا عذاب سمجھنے لگے۔

فتنہ بمعنی گناہ

بعض جگہ فتنہ کے معنی ''گناہ'' کے آتے ہیں جیسے فرمایا:

﴿اَلَا فِی الْفِتْنَۃِ سَقَطُوْا﴾ (سورۃ التوبۃ ۴۹)

خبردار! وہ فتنے (گناہوں) میں گر پڑے (ڈوب گئے)

یعنی کافر لوگ گناہوں کے اندر جا پڑے تو یہاں فتنہ ''گناہ'' کے معنی میں

ہے۔

فتنہ بمعنی آگ میں جلانا

کبھی فتنہ کے معنی "آگ میں جلانے" کے آتے ہیں جیسے فرمایا:

﴿ذُوقُوا فِتْنَتَكُمْ هٰذَا الَّذِي كُنْتُمْ بِهِ تَسْتَعْجِلُونَ﴾ (سورۃ الذاریات:۱۴)

اپنی شرارت کا مزہ چکھو (آگ میں جلنے کا مزہ چکھو) یہ ہے (وہ چیز) جس پر تم جلدی کیا کرتے تھے۔

یہاں فتنہ کا معنی "آگ میں جلانے" کا ہے۔

فتنہ بمعنی قتل و ہلاکت

فتنہ کا لفظ "قتل اور ہلاکت" کے معنی میں بھی استعمال ہوتا ہے جیسے فرمایا:

﴿وَإِذَا ضَرَبْتُمْ فِي الْأَرْضِ فَلَيْسَ عَلَيْكُمْ جُنَاحٌ أَنْ تَقْصُرُوا مِنَ الصَّلَاةِ إِنْ خِفْتُمْ أَنْ يَفْتِنَكُمُ الَّذِينَ كَفَرُوا﴾ (سورۃ النساء:۱۰۱)

اور جب تم زمین میں سفر کرو تو تم پر کوئی گناہ نہیں کہ نماز میں سے کچھ کم کر دو اگر تمہیں اس بات کا خوف ہو کہ کافر تم کو ستائیں گے۔

تم سفر اور دشمن کے مقابلے کے دوران نماز میں قصر کر لیا کرو جب دشمن کی طرف سے فتنہ یعنی قتل و ہلاکت کا خطرہ ہو۔ یہاں فتنہ کے معنی "قتل اور ہلاکت" کے ہیں۔

فتنہ بمعنی ظالموں کا تسلط

کبھی اسے "ظالم حکمرانوں کے تسلط" کے معنی میں استعمال کیا جاتا ہے مثلاً

﴿وَاتَّقُوا فِتْنَةً لَا تُصِيبَنَّ الَّذِينَ ظَلَمُوا مِنْكُمْ خَاصَّةً﴾

(سورۃ الانفال:۲۵)

اور اس فتنہ (فساد) سے بچتے رہو جو تم میں سے خاص ظالموں پر ہی نہ پڑے گا۔

فرمایا گیا ہے کہ ڈرو اس فتنے سے جو صرف ظالموں پر نہیں آئے گا بلکہ جب ظلم عام ہو جائے گا، معاشرے کے اندر گندگی عام ہو جائے گی تو پھر آنے والے ظالم حکمران سب پر مسلط ہوں گے۔ نیکوکار بھی ان کے ماتحت آ جائیں گے۔ یہاں فتنہ کے معنی ظالم کے ہیں، ظالم حکمران کے ہیں۔ یہ فتنہ کے چند مختلف معانی ہیں جن کا قرآن میں تذکرہ ہوا ہے اور مختلف مقامات پر انہیں استعمال کیا گیا ہے۔

✿✿✿✿✿

معاصی

سب سے پہلا فتنہ گناہوں کا ہے۔ چاہے وہ گناہ روحانی ہوں یا جسمانی ہوں، چاہے وہ اللہ کے حقوق میں کوتاہی کے سبب سرزد ہو رہے ہوں یا پھر اللہ کی مخلوق کے حقوق کی حق تلفی کے سبب ہو رہے ہوں، گناہ کی کوئی بھی قسم ہو وہ اس فتنے کے تحت داخل ہے۔ جب یہ گناہ کثرت کے ساتھ ہونے لگتے ہیں تو اللہ پاک کی طرف سے ظالم حکمرانوں کے تسلط کی صورت میں عذاب آتا ہے۔

فتنے کی اقسام

فتنے کی مختلف اقسام ہیں۔ مثال کے طور پر شہوات یا نفسانی خواہشات کا فتنہ۔ اس کے تحت بہت سارے فتنے آجاتے ہیں مثلاً گناہ، اولاد، مال اور عورت کے فتنے۔ یہ تمام فتنے خواہشات پرستی اور نفس پرستی کے تحت داخل ہیں۔

گناہوں کا فتنہ

فتنوں میں سب سے پہلا فتنہ گناہوں کا ہے۔ اب چاہے ان گناہوں کا تعلق دل سے ہو، یا جسم کے ساتھ، چاہے گناہ وہ ہوں جو اللہ کے حقوق میں کوتاہی کے سبب سرزد ہو رہے ہوں، یا پھر اس قسم کے گناہ ہوں جن میں اللہ کی مخلوق کے حقوق کی حق تلفی ہو رہی ہو۔ گناہ کی کوئی بھی قسم ہو وہ اس فتنے کے تحت داخل ہے۔

جب یہ گناہ (ظاہری، جسمانی، دلی، مخلوق کی حق تلفی اور خالق کے حقوق میں کوتاہی کے) کثرت کے ساتھ ہونے لگتے ہیں تو اللہ پاک کی طرف سے جو عذاب آتا ہے وہ ظالم حکمرانوں کے تسلط کی صورت میں آتا ہے، بعد ازیں لوگوں کے کمزور دلوں کی صورت میں ظاہر ہوتا ہے۔

حضرت مالک بن دینار رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے کہ اللہ پاک فرماتے ہیں کہ

"انا اللہ مالک الملوک قلوب الملوک بیدی فمن اطاعنی

جَعَلْتُهُمْ عَلَيْهِمْ رَحْمَةً وَمَنْ عَصَانِيْ جَعَلْتُهُمْ عَلَيْهِمْ نِقْمَةً"

([illegible])

میں اللہ ہوں، بادشاہوں کا بادشاہ، بادشاہوں کے دل میری قدرت میں ہیں،
میرے کنٹرول میں ہیں۔ جو میری اطاعت کرتا ہے تو میں ان حکمرانوں کو اس پر
مہربان بنا دیتا ہوں اور جو میری نافرمانی کرتا ہے تو میں اس پر ظالم حکمرانوں کو
مسلط کر دیتا ہوں۔

پھر فرمایا:

"فَلَا تَشْغَلُوْا أَنْفُسَكُمْ بِسَبِّ الْمُلُوْكِ لٰكِنْ تُوْبُوْا إِلَيَّ" ([illegible])

تو صرف حکمرانوں کو گالم گلوچ کر کے اپنے آپ کو مصروف نہ رکھو بلکہ میری
طرف بھی رجوع کرو (اپنے گناہوں کی معافی بھی مانگو۔ اپنے ماضی پر ندامت
کے آنسو بھی بہاؤ۔)

"أُعَطِّفْهُمْ عَلَيْكُمْ" (حوالہ بالا)

تاکہ میں تم پر ان حکمرانوں کو مہربان کر دوں۔

ظالموں سے نجات کا راستہ

اس حدیثِ قدسی میں یہ بات سمجھائی گئی ہے کہ جس طریقے سے ظالموں
سے نجات کے لئے اسباب اختیار کئے جاتے ہیں جیسے ان سے برأت کا اظہار کرنا،
ان سے بیزاری کا اعلان کرنا تو جہاں یہ اسباب اختیار کئے جاتے ہیں وہاں مسلمانوں
کو ان ظالموں سے نجات کے لئے ایک اور اعلیٰ اور بہترین سبب بھی اختیار کرنا چاہئے
اور وہ یہ ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے، توبہ اور استغفار کیا جائے، اپنی زندگی کو
بدلا جائے۔ جب ایک طرف سے اپنے گناہوں سے توبہ اور دوسری طرف سے مادی

طور پر اسباب اور ذرائع کو اختیار کرتے ہوئے ان سے چھٹکارا پانے کی کوشش کرنے کا عمل پایا جائے گا تو پھر ان سے نجات مل جائے گی۔

آج مسلمان اپنی زندگی کا محاسبہ کرنے کے لئے تو تیار نہیں، اپنے گھر کو بدلنے کے لئے تو تیار نہیں، اپنے چھ فٹ کے جسم پر دین نافذ کرنے کے لئے تو تیار نہیں، اپنے ماتحتوں میں دین زندہ کرنے کے لئے تیار نہیں اور چاہتا یہ ہے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی حکمران آجائے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ جیسا کوئی حکمران آجائے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ جیسا کوئی حکمران آجائے، حضرت علی رضی اللہ عنہ جیسا کوئی حکمران آجائے۔

میرے عزیزو! یہ سب بڑے لوگ تھے اور ان کے ماتحت بھی بڑے لوگ تھے۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کے ماتحت حضرت عمر رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے ماتحت حضرت عثمان رضی اللہ عنہ تھے، حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے ماتحت حضرت علی رضی اللہ عنہ تھے۔ جب زندگی اچھی ہوا کرتی ہے تو اللہ رب العزت ایسے حکمران عطا فرماتا ہے۔ تو صرف یہ سوچنا کہ حالات بدل جائیں اور میں نہ بدلوں، ایسا نہیں ہوتا۔ آج سب کی زبان پر یہ شکوہ ہے کہ حالات بہت خراب ہیں، لیکن کیا کبھی کسی نے یہ سوچا کہ میں نے آج صبح سے لے کر شام تک اللہ پاک کو کتنا ناراض کیا ہے؟ کہتے ہیں کہ امن وامان ختم ہو چکا ہے۔ ارے یہ نہیں سوچتے کہ ہم مخلوق کے کتنے حقوق ضائع کر رہے ہیں۔ ہم اللہ پاک کے کتنے حقوق ضائع کر رہے ہیں جنہیں پورا کرنا ہمارے بس میں ہے۔ اس بات کی کسی کو فکر نہیں ہے۔

میرے عزیزو! حالات ایسے نہیں بدلتے۔ جہاں ان ظالموں سے نجات کے لئے خارجی محنت ضروری ہے کہ ان کے لئے بددعا کی جائے، اور ان سے نجات

کی صورتیں اختیار کی جائیں تو وہاں اس بات کی بھی بڑی ضرورت ہے کہ اللہ کی طرف رجوع کیا جائے۔ اپنے اللہ سے بھی صلح کی جائے، اپنے آپ کو بھی بدلا جائے، اپنے گھر کو بھی بدلا جائے، اپنے ماحول کو بھی بدلا جائے۔ جو ہم کر سکتے ہیں وہ تو کریں۔ اسی لئے تو حدیث قدسی میں فرمایا گیا کہ صرف یہ نہیں کہ بس تبصرے کر دیئے اور برے بھلے جملے کس دیئے اور اپنی زندگی کا محاسبہ نہیں کیا تو گناہ معاف نہیں ہوں گے بلکہ گناہوں کی معافی کے لئے یہ ارشاد فرمایا کہ اپنے آپ کو خبردار کرو اور اپنے آپ کو متوجہ کرو۔

گناہوں کی زندگی سے نجات کالائحہ عمل

میرے عزیزو! گناہوں کی زندگی سے نجات حاصل کرنے کے لئے چند چیزیں انتہائی اہم ہیں۔

❁ پہلی چیز یہ ہے کہ آدمی اس بات کا تصور کرے کہ اللہ بڑا مہربان ہے اور جس چیز سے اللہ کی مہربان ذات نے روکا ہے یقیناً اس کے اندر گندگی اور خرابی ہوگی۔ اس کے اندر کوئی نقصان ہوگا، وہ چیز موذی ہوگی تب ہی تو اس مہربان نے روکا ہے۔ جیسے شفیق ماں باپ اپنی اولاد کو نقصان دہ چیز سے روکتے ہیں اگر چہ اولاد کو یہ پتہ نہیں ہوتا کہ اس کے نقصانات کیا کیا ہیں لیکن اس اولاد کو یہ علم ضرور ہوتا ہے کہ میرے ماں باپ میرے بڑے خیر خواہ ہیں اور جس چیز سے میرے ماں باپ منع کرتے ہیں یقیناً اس کے اندر کوئی خرابی یا نقصان ہوگا اگر چہ مجھے اس کا علم نہیں ہے، میں اس نقصان سے آگاہ نہیں ہوں، میں اس نقصان کے بارے میں نہیں جانتا ہوں۔

تو رب میرا اللہ کہہ رہا ہے اور اللہ مہربان بھی ہے، مہربان بھی ایسا ہے کہ ماؤں سے زیادہ مہربان، ہزار ماؤں سے زیادہ شفیق۔ تو اگر اللہ پاک کسی چیز سے منع کر رہے ہیں تو یقیناً اس کے اندر بندوں کی بھلائی ہے۔

اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ نماز مت چھوڑو، تو یقیناً اس حکم میں میری ہی کوئی بھلائی پوشیدہ ہے۔ یہ بات ذہن میں بیٹھ جانی چاہئے کہ اللہ تعالیٰ ہمارا بھلا چاہتا ہے، ہماری خیر خواہی چاہتا ہے، اسی وجہ سے وہ کسی کام کو کرنے کو کہتا ہے اور کسی کام سے رکنے کا حکم دیتا ہے۔ ہمیں اس کے بندے ہونے کی حیثیت سے اس کے احکامات کی بلا جھجک پیروی کرنی چاہئے۔ یہ پیروی دلی خوشی اور رضا سے کرنی چاہئے نہ کہ اللہ کے خوف اور قیامت کے دن سے ڈر کر۔ یہ خیال ہونا چاہئے کہ اللہ پاک ہمارا خیر خواہ ہے۔ ہاں پھر جب ہمیں اس کا استحضار (دھیان) ہو جائے گا تو پھر اس خیال کے اندر اور بھی صداقت آجائے گی اور اس شخص کے اندر گناہوں سے بچنے کی زیادہ طاقت آ جائے گی اور اس کی ہمت بڑھ جائے گی۔

❖ دوسری چیز یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ سے حیا آئے۔ بندے کو اپنے بڑے بھائی سے کتنی حیا آتی ہے، اس کے سامنے کوئی ناشائستہ حرکت نہیں کرتا، اور والد سے بھی حیا آتی ہے کہ ان کے سامنے کوئی ناشائستہ حرکت نہیں کرتا۔ لیکن اللہ سے حیا نہیں آتی۔ اللہ سے حیا ختم ہو گئی ہے۔ جس چیز سے اللہ تعالیٰ نے منع کیا ہے وہی کام اللہ تعالیٰ کے دیکھنے کی حالت میں کر رہا ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ اللہ پاک سے حیا آنی چاہئے۔

❖ تیسری چیز یہ ہے کہ اللہ پاک کی عطا کردہ نعمتوں کا استحضار (دھیان) کرے اور ان نعمتوں کے دوام (ہمیشہ برقرار رہنے) کی کوشش میں لگا رہے۔ اس لئے

کہ اگر ان نعمتوں کے ہوتے ہوئے اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کی، گناہ کا راستہ اختیار کیا تو یہ نعمتیں چھن جانے کا اندیشہ ہے۔ بندہ جب بھی کوئی گناہ کرتا ہے تو جس نوعیت کا گناہ ہوتا ہے اسی نوعیت کی کوئی نعمت اللہ تعالیٰ اس سے چھین لیتا ہے لہٰذا اس بات کا دھیان ہونا چاہئے کہ اللہ تعالیٰ نے نعمتیں دی ہیں تو ان نعمتوں کو بچا کے بھی رکھنا ہے، یہ گناہ نعمتوں کے لئے آگ ہے۔ جس طریقے سے آگ لکڑیوں کو کھا جاتی ہے اسی طریقے سے گناہ نعمتوں کو کھا جاتے ہیں اور جس نوعیت کا گناہ ہوتا ہے اسی نوعیت کی کوئی نعمت چھن جاتی ہے مثلاً آپ نے آنکھوں سے غلط دیکھا تو آپ نے اپنی آنکھوں سے گناہ کیا۔ اب اللہ پاک آپ کو اسی نوعیت کی کسی نعمت سے محروم کر دے گا۔ جب آپ حرام کی زندگی گزارنا چاہیں گے تو اپنی بیوی کو دیکھنے کی لذت سے محروم ہو جائیں گے۔ پھر آپ کو حلال دیکھنے میں لذت نہیں آئے گی اس لئے کہ آپ نے حرام سے لذت لی ہے۔ اگر آپ نے کان سے موسیقی سنی، گانا سنا تو آپ حلال (یعنی قرآن کی تلاوت کی لذت) سے محروم ہو جائیں گے۔ آپ نے اگر حرام کا لقمہ کھالیا تو آپ حلال کے لقمے کی لذت سے محروم ہو جائیں گے۔ اس صورت میں بسا اوقات نعمت کی شکل تو ہوگی مگر اس کے اندر کی لذت سے بندہ محروم ہو جائے گا۔ بیوی تو ہوگی لیکن اللہ تعالیٰ لطف سے محروم کر دیں گے اس لئے کہ اس نے حرام سے لذت لی ہے۔ شباب موجود ہے، قوت اور طاقت بھی موجود ہے لیکن اسے حرام میں استعمال کیا ہے لہٰذا اب حلال کی لذت سے محروم ہو جائے گا۔ تو میرے بھائیو! اس بات کا خیال بھی ہو کہ اگر میں نے گناہ کر لیا تو میں ان نعمتوں سے محروم ہو جاؤں گا جو میرے پاس ہیں۔

✿ چوتھی چیز یہ ہے کہ اللہ کا خوف ہو اور اللہ کا خوف بھی ایسا ہو کہ دل میں

عظمت کا پہلو ہو۔ اسی لئے اللہ پاک نے قرآن پاک میں ارشاد فرمایا ہے:

﴿إِنَّمَا يَخْشَى اللَّهَ مِنْ عِبَادِهِ الْعُلَمَاءُ﴾ (فاطر: ۲۸)

بے شک علماء ہی اللہ تعالیٰ سے ڈرتے ہیں۔ (ڈرنے کا حق ادا کرتے ہیں)

ایسا ڈرنا یا ایسا خوف کھانا جس میں سامنے والے کی خوب عظمت ہو خشیت کہلاتا ہے۔ ایک ہے آپ کا چیتے، شیر اور سانپ سے ڈرنا اور خوف کھانا۔ یہ ڈر ایک الگ نوعیت کا ہے۔ ایک ڈر وہ ہے جس کی بنا پر آپ اپنے والد سے ڈرتے ہیں۔ یہ ڈر کا ایک الگ پہلو ہے مگر اس ڈر کے اندر تعظیم کا پہلو بھی ہے۔ خشیت بھی اسی کو کہتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ سے ایسے ڈرنا کہ جس میں اللہ کی عظمت اور احترام کا پہلو بھی ہو یعنی اللہ کی عظمت اور اس کا احترام دل کے اندر اتنا ہو کہ یہ بات گوارا ہی نہ ہو کہ میں کوئی ایسی حرکت کروں جو اللہ تعالیٰ کو ناپسندیدہ ہو۔

اگر یہ چیزیں نصیب ہو جائیں کہ اللہ کے مہربان ہونے کا دھیان پیدا ہو جائے، اللہ تعالیٰ سے حیا آجائے، نعمتوں کے چھن جانے کا خوف پیدا ہو جائے تو اس کے نتیجے میں انسان کو گناہوں سے بچنے کے لئے ہمت کرنا آسان ہو جائے گی۔

میرے دوستو! گناہوں سے بچنے کا بہترین حل ہمت ہے۔ اور اس ہمت کو بڑھانے کے لئے ان چیزوں کا دھیان کرنا اور ان کو سوچنا ضروری ہے۔

❁❁❁❁❁

اولاد

اولاد ایک آزمائش ہے۔ اللہ رب العزت انسان کو اولاد دیتا ہے اور اس سے اس کی آزمائش کرتا ہے۔ انسان اس اولاد پر جس انداز کی محنت کرے گا، جس قسم کا ماحول اسے فراہم کرے گا، جیسی اس کی تربیت کرے گا ویسے ہی اس کے نتائج مرتب ہوں گے۔ بسا اوقات اللہ رب العزت جب ناراض ہوتے ہیں تو اولاد کے ذریعے دنیا کے اندر عذاب میں بھی مبتلا کردیتے ہیں۔

نفسانی خواہشات کے فتنوں میں سے دوسرا بڑا فتنہ اولاد کا فتنہ ہے۔ اولاد بھی ایک آزمائش ہے۔ یہ انسان پر منحصر ہے کہ اس کو اپنے حق میں رحمت بنا لے یا زحمت بنا لے۔ اللہ رب العزت انسان کو اولاد دیتا ہے اور اس سے اس کی آزمائش کرتا ہے۔ اب انسان اس اولاد پر جس انداز کی محنت کرے گا، جیسا ماحول اسے فراہم کرے گا جیسی اس کی تربیت کرے گا ویسے ہی اس کے نتائج مرتب ہوں گے۔

اولاد، ایک آزمائش

اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿إِنَّمَا أَمْوَالُكُمْ وَأَوْلَادُكُمْ فِتْنَةٌ﴾ (انفال: ۲۸)

بے شک تمہارا مال اور تمہاری اولاد (تمہارے لئے) فتنہ (آزمائش) ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِنَّ مِنْ أَزْوَاجِكُمْ وَأَوْلَادِكُمْ عَدُوًّا لَكُمْ فَاحْذَرُوهُمْ﴾ (سورۃ التغابن: ۱۴)

اے ایمان والو! بے شک تمہاری بیویوں اور اولاد میں سے (بعض) تمہارے دشمن ہیں سو ان سے بچتے رہو۔

اللہ نے مومنین کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا کہ بسا اوقات یہ اولاد بھی دشمنی کا باعث بنتی ہے یعنی زحمت بنتی ہے ﴿فَاحْذَرُوهُمْ﴾ اس لئے خیال کرنا اور بچ کے رہنا۔

تو اولاد کے ذریعے بھی آزمائش ہوتی ہے بسا اوقات یہی اولاد انسان کو گناہ والی زندگی میں لے جاتی ہے کہ ان کے لیے رزق کمانے کے واسطے گناہ کرتا ہے، اسے خوش کرنے کے لئے گناہ کرتا ہے بعض اوقات یہ اولاد جب غلط ماحول کے اندر پرورش پاکر جوان ہوتی ہے تو اس کی خواہشات کو پورا کرنے کے لیے ماں باپ بھی گناہوں والی زندگی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس لئے قرآن مجید میں ایک جگہ اللہ رب العزت کا ارشاد ہے:

﴿وَأَمَّا الْغُلَامُ فَكَانَ أَبَوَاهُ مُؤْمِنَيْنِ فَخَشِينَا أَنْ يُرْهِقَهُمَا طُغْيَانًا وَكُفْرًا﴾ (الکہف: ۸۰)

اور جو لڑکا تھا تو اس کے ماں باپ مومن تھے تو ہمیں اندیشہ ہوا کہ وہ انہیں سرکشی اور کفر سے عاجز کر دے گا۔

اللہ پاک نے حضرت خضر علیہ السلام سے فرمایا کہ فلاں بچہ ہے، جاؤ اور اس کی گردن دبوچ لو، اسے مار دو۔ حضرت خضر علیہ السلام نے اللہ کے حکم کے مطابق ایسا ہی کیا۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اللہ پاک کے اس حکم کا پتہ نہیں تھا اس لئے آپ علیہ السلام نے حضرت خضر علیہ السلام سے کہا کہ اے خضر! یہ آپ نے کیا کر دیا؟ بڑا غضب کر دیا کہ معصوم بچے کی گردن آپ نے مروڑ دی۔ اللہ تعالیٰ نے اس کا جواب یوں دیا کہ اس بچے کے ماں باپ ایمان والے تھے اور یہ اندیشہ تھا کہ یہ بچہ ان کو بھی کسی گناہ والی زندگی میں نہ لے جائے۔ اور اس کی وجہ سے میرے نیک بندے کہیں آزمائش میں نہ پڑ جائیں اس لئے اس بچے کی موت کا فیصلہ فرما دیا کہ اولاد بسا اوقات ماں باپ کی گمراہی کا سبب بن جاتی ہے۔

اولاد کے فتنے

حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ

" اَلْوَلَدُ مَحْزَنَةٌ مَجْبَنَةٌ مَجْهَلَةٌ مَبْخَلَةٌ " (الطبرانی فی معجم الکبیر ج ۲۴ ص ۲۴۰)

اولاد حزن (غم) کا باعث ہے۔ بیمار ہو گیا، کند ذہن ہے، پڑھتا نہیں ہے، ملازمت نہیں کر رہا۔ اولاد غم کا ذریعہ ہے۔

اولاد بزدلی کا سبب ہے۔ اللہ کی خاطر جان دینے کا کہو تو کہتا ہے میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، یہ بچے بزدلی کا باعث ہیں۔

اولاد جہالت کا ذریعہ ہے۔ اگر کہا جائے کہ بھائی دین سیکھو تو کہتا ہے کہ میرے چھوٹے چھوٹے بچے ہیں، ان کی روزی روٹی کی فکر ہے، دین سیکھنے کے لئے وقت کیسے نکالوں؟ اولاد کی خاطر کمانے میں مصروف ہونے کی بنا پر دین نہیں سیکھتا، جاہل رہتا ہے تو اولاد جہالت کا ذریعہ بھی ہے۔

اگر کہا جائے کہ بھائی اللہ کے راستے میں کچھ خرچ کر دیا کرو تو کہتا ہے کہ میرے اپنے اخراجات ہی بہت ہیں، اللہ کے راستے میں کیا خرچ کروں؟ تو اولاد ان خرابیوں کا باعث بھی ہے۔ اسی لئے بسا اوقات اللہ رب العزت جب ناراض ہوتے ہیں تو اولاد کے ذریعے دنیا کے اندر عذاب میں مبتلا کرتے ہیں۔

پیارے رسول ﷺ سے اللہ پاک نے فرمایا:

﴿فَلَا تُعْجِبْكَ اَمْوَالُهُمْ وَلَا اَوْلَادُهُمْ﴾ (التوبۃ: ۵۵)

تو آپ ان کے مال اور اولاد سے تعجب نہ کریں۔

کافروں کے پاس جو جوان اولادیں ہیں اور ان کے جو یہ مال و دولت ہیں آپ انہیں دیکھ کر رشک نہ کریں، اس لئے کہ

﴿إِنَّمَا يُرِيدُ اللَّهُ لِيُعَذِّبَهُم بِهَا فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا﴾ (التوبہ:۸۵)

اللہ چاہتا ہے کہ ان کافروں کو ان کی اولاد اور ان کے مال کے ذریعے دنیا ہی میں عذاب دے۔

بسا اوقات یہ اولاد چھٹی انگلی کی سی حیثیت اختیار کر لیتی ہے جیسے آدمی کی چھٹی انگلی ہو تو آدمی نہ تو اس کو کاٹ سکتا ہے اور نہ اس کا دل اسے رکھنے کو چاہتا ہے۔ اسی طرح اولاد بھی بسا اوقات ایسا ستاتی ہے کہ نہ چھپا سکتا ہے اور نہ کسی کو بتا سکتا ہے۔ ایسی نافرمان اولاد کے ستانے کے سبب ماں باپ یہ کہنے پر مجبور ہو جاتے ہیں کہ نہ ہوتی تو اچھا تھا۔ تو یہ باعث عذاب بنتی ہے۔ تو میرے دوستو! اس دنیا کے اندر یہ اولاد آزمائش ہے۔ اسی لئے قرآن و حدیث نے چند تجاویز پیش کی ہیں تاکہ اولاد رحمت بنے زحمت نہ بنے۔ ان تجاویز پر عمل کرنے سے ان شاء اللہ اولاد رحمت بنے گی، زحمت نہیں بنے گی۔

پہلی تجویز

پہلی چیز ہے اللہ کی بارگاہ میں گڑگڑا کر انتہائی عاجزی اور انکساری کے ساتھ ان کی اصلاح کے لئے دعا کی جائے کہ

﴿رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ أَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ أَعْيُنٍ﴾ (سورۃ الفرقان:۷۴)

اے ہمارے رب! ہمیں اپنی بیویوں اور اولاد سے آنکھوں کی ٹھنڈک عطا فرما دے۔

اے اللہ! میرے گھر والوں کو میری آنکھوں کے لئے ٹھنڈک بنا دے۔ اگر چاہتے ہیں کہ اولاد رحمت بنے زحمت نہ بنے، آنکھوں کی ٹھنڈک بنے، صدقہ جاریہ بنے، آخرت میں نجات کا باعث بنے، ہم اس کے فتنوں سے بچ سکیں، اس کے زحمت بننے سے محفوظ رہیں تو اس قرآنی دعا کا اہتمام کیا کریں۔ یہ دعا قرآن کریم میں آئی ہے اور اللہ کے پیارے بندوں کی اپنی اولاد کے بارے میں یہی دعا ہوا کرتی ہے کہ اے اللہ! ہماری اولاد کو، ہمارے گھر والوں کو ہماری آنکھوں کی ٹھنڈک بنا۔

﴿وَاجْعَلْنَا لِلْمُتَّقِيْنَ اِمَامًا﴾ (الفرقان: ۷۴)

اور ہمیں بھی نیک لوگوں کا پیشوا بنا۔

یعنی ہماری زندگی اتنی نیکیوں والی ہو کہ لوگ ہمیں دیکھ کر نیکی کرنے کی طرف راغب ہوں۔

دوسری تجویز

اولاد کے فتنے سے محفوظ رہنے کے لئے دوسری چیز یہ اختیار کی جائے کہ اس اولاد کے لئے نیک ماں تلاش کی جائے۔ مطلب یہ کہ بیوی ایسی منتخب کی جائے جو نیک اور صالحہ ہو۔ پہلا انتخاب ہی نیکی والا ہونا چاہئے اور اگر یہ نہ ہو سکے تو پھر اسے نیک بنانے کی فکر کرنی چاہئے۔ وہ اس لئے کہ اس کے نیک بننے سے اولاد بھی نیک بن جائے گی۔ نبی ﷺ نے عورت کو نکاح میں لانے سے پہلے یہ حکم دیا کہ ایسی عورت کو ڈھونڈنا اور اختیار کرنا جو دین والی ہو، دین سے محبت کرتی ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّيْنِ تَرِبَتْ يَدَاكَ" (صحیح البخاری، ج ۲، ص ۷۶۲)

اپنی ازدواجی زندگی میں دین کو اہمیت دینا، تیرے ہاتھ خاک آلود ہوں یعنی تجھے

مبارک ہو۔

بدقسمتی سے آج کے نوجوان کا انتخاب ظاہری شکل وصورت کی بنیاد پر ہوتا ہے۔ حالانکہ یہ ازدواجی زندگی کے لئے کوئی پائیدار چیز نہیں ہے، اس لئے کہ شکل وصورت تو ڈھل جاتی ہے، اس بنیاد پر جو ازدواجی رشتہ ہوگا وہ بھی بڑا کمزور ہوگا لیکن اگر ازدواجی زندگی کی بنیاد سیرت پر ہوگی، کردار پر ہوگی، تقویٰ پر ہوگی، نیکی پر ہوگی تو ازدوجی زندگی بڑی مضبوط اور پائیدار ہوگی۔ ورنہ ظاہری شکل وصورت تو وقت کے ساتھ ساتھ ڈھلتی رہتی ہے۔ بخار ہو جائے تو چہرے کا زاویہ ہی بدل جاتا ہے۔ چند دن بستر پر پڑی رہتی ہے تو شکل وصورت ہی بدل جاتی ہے بلکہ باہر سڑک پر پھرنے والی چند رنگ برنگی بکریوں پر نظر پڑ جائے تو اپنی اچھی ہی نہیں لگتی۔ تو یہ شکل وصورت ازدواجی زندگی کے لئے کوئی پائیدار بنیاد نہیں ہے۔ پائیدار بنیاد یہ ہے کہ سیرت دیکھی جائے دینداری دیکھی جائے۔ اسی میں کامیابی ہے۔

تو میرے عزیزو! اولاد کو اگر رحمت بنانا چاہتے ہیں تو بیوی، جو زندگی کی رفیقہ ہے اسے نیک اختیار کریں، اگر نیک نہیں ہے تو اسے نیک بنانے کی فکر کریں، نیک لوگوں کی صحبت میں لے کر آئیں۔ اس لئے کہ اسی کی گود میں اولاد پرورش پاتی ہے۔ جب بچہ ماں کے سینے سے دودھ پیتا ہے تو ماں کے اندر کے خیالات بھی اس میں منتقل ہو جاتے ہیں، اندر کے جذبات بھی منتقل ہو جاتے ہیں، اندر کی ایمانی کیفیات بھی منتقل ہو جاتی ہیں، اندر کی حیا بھی منتقل ہوتی ہے۔ بچہ اپنے ماں باپ کو جو کچھ کرتے ہوئے دیکھتا ہے تو وہ سب کچھ اس کے دل ودماغ پر نقش ہو جاتا ہے۔ تو اولاد کو نیک بنانے کا دوسرا نسخہ یہ ہے کہ رفیقۂ حیات نیک ہو۔

تیسری تجویز

اولاد کو نیک بنانے کے لئے تیسری چیز ان کی ایمانی تربیت کا انتظام کرنا ہے۔ اولاد کو ایسا ماحول فراہم کیا جائے جس میں اس کی ایمانی تربیت ہو۔ اس کی نشوونما بھی ہو۔ تین چیزیں ہیں۔ بچہ یا تو گھر میں ہوگا یا دوستوں میں ہوگا یا کسی تعلیمی ادارے میں ہوگا تو ان تینوں چیزوں (گھر، دوستوں اور تعلیمی ادارے) کی رعایت رکھی جائے کہ گھر کا ماحول کیسا ہے؟ اس کے دوست کیسے ہیں؟ اور جس تعلیمی ادارے کے اندر یہ تعلیم حاصل کر رہا ہے اس کا ماحول کیسا ہے؟

آج کل تو ماں کی تربیت تھوڑی کم ہوگئی ہے، اسکول کی تربیت زیادہ ہوگئی ہے، اس لئے کہ پہلے مائیں چھ سال تک بچے کو اپنی گود میں رکھا کرتی تھیں، اپنے سامنے رکھا کرتی تھیں۔ اب وہ کہتی ہیں کہ یہ دو سال کے بعد ہی اسکول پہنچ جائے۔ آخر میں نے شاپنگ کرنے بھی تو جانا ہوتا ہے، میں نے ملازمت پر بھی تو جانا ہوتا ہے بلکہ ادھر ماں ملازمت کے لئے جاتی ہے اور اُدھر بچہ تربیتی اداروں میں چلا جاتا ہے۔

اب تو بچوں کی نگہداشت کے ایسے اداروں (بے بی ڈے کیئر سینٹرز) کے قیام میں روز بروز اضافہ ہوتا چلا جا رہا ہے جہاں ملازمت پیشہ خواتین اپنے بچوں کو دن بھر کے لئے ان اداروں میں رکھوا کر اطمینان سے ملازمت پر جا سکتی ہیں۔ اس لئے کہ ان کو بینک میں ملازمت کے لئے جانا ہے، فلاں اسٹور پر جانا ہے، سوشل ورک کے لئے جانا ہے لہٰذا بچے کو اس ادارے میں بھیج کر وہ اپنے کام پر چلی جاتی ہیں۔

اب وہاں کون ان کی تربیت کر رہا ہے، کون نشوونما کر رہا ہے، اس بات کا

کوئی خیال نہیں، کوئی احساس نہیں۔ تو اولاد کی تربیت اچھے ماحول کے اندر ہونی چاہئے اور اس کے لئے یہ تین باتیں بہت بنیادی ہیں۔ گھر کا ماحول، دوست اور تعلیمی ادارہ جہاں وہ تعلیم حاصل کر رہا ہے کہ وہاں کیسا ماحول ہے۔ ان تینوں چیزوں سے بچے کی تربیت پر اثر پڑتا ہے۔ بچہ جو کچھ دیکھتا ہے وہ اس کے دماغ پر نقش ہو جاتا ہے۔ ہم سمجھتے ہیں کہ بچہ ہے اسے شعور نہیں ہے۔ نہیں میرے عزیزو! اس غیر شعوری دور کے اندر بھی وہ بہت کچھ سمجھ رہا ہوتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اگر آپ بچے کے سامنے میمن زبان بولیں گے تو وہ بھی میمن زبان بولے گا۔ اسے وحی تو نہیں آتی کہ تم میمن ہو اس لئے میمن بولی بولو۔ بچپن میں اس نے ماں باپ کی زبان سے جو کچھ سنا ہوتا ہے وہ اس کے دماغ پر نقش ہو جاتا ہے۔ زبان کھولی تو میمن بولی بولنے لگ گیا۔ اگر یہی بچہ ماں باپ کی زبان سے (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) سنے، قرآن کی آیت سنے، کلام اللہ سنے، اللہ کی حمد و ثنا سنے تو ان شاء اللہ جب پہلا جملہ بولے گا تو (لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ) بولے گا۔ جو اس کے سامنے بولا جائے گا، جو پڑھا جائے گا، جو وہ دیکھے گا وہ نقش ہو جائے گا۔ جب بچہ بچپن کے اندر دیکھتا ہے کہ میرے ٹیچر (اساتذہ) کیا کر رہے ہیں؟ میرے دوست کیا کر رہے ہیں؟ میرے گھر میں کیا ہو رہا ہے؟ تو یہ سب اس کے دماغ میں نقش ہو جاتا ہے اس لئے بچے کے سامنے اچھا بولیں، اچھا رہیں، اچھا رہن سہن رکھیں تو بچہ خود بخود بچپن سے ہی لاشعوری طور پر اچھائی کی طرف راغب رہے گا۔

تو اولاد رحمت ہے، نعمت ہے، صدقۂ جاریہ ہے۔ اس کے لئے جہاں دعاؤں کا اہتمام ضروری ہے، رفیقۂ حیات کا نیک ہونا ضروری ہے، وہاں یہ بات بھی انتہائی ضروری ہے کہ اسے اچھا ماحول فراہم کیا جائے۔

چوتھی تجویز

چوتھی چیز ہے (تَقْوِيَةُ الْإِيْمَانِ فِي نُفُوْسِ الْآبَاءِ وَالْأُمَّهَاتِ) یعنی ماں باپ میں ایمان کا راسخ اور مضبوط ہونا۔ جتنا ماں باپ کا ایمان بڑھا ہوگا، اللہ سے تعلق مضبوط ہوگا، اتنے ہی اچھے اثرات اللہ تعالیٰ اولاد پر مرتب کرے گا۔ اگر کوئی چاہے کہ اولاد نیک بن جائے لیکن میں خود نیک نہ بنوں تو ایسا نہیں ہو سکتا۔ جب بچہ دیکھتا ہے کہ ماں باپ تو جھوٹ بولتے ہی رہتے ہیں تو وہ بھی جھوٹ بولنے لگتا ہے۔ جب وہ دیکھتا ہے کہ ماں باپ روز ہی لڑ رہے ہوتے ہیں تو وہ سمجھتا ہے کہ شاید یہ بھی زندگی کا ایک حصہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ جن گھروں میں میاں بیوی کا آپس میں اتفاق نہیں ہوتا، آپس کی زندگی خوشگوار نہیں ہوتی، ایک دوسرے پر اعتماد نہیں ہوتا، وہاں بچوں پر بڑے منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ بچے احساس کمتری کا شکار ہو جاتے ہیں، اپنے آپ کو بے سہارا سمجھنے لگتے ہیں اور بچپن ہی سے احساس کمتری، عدم تحفظ، اعتماد کی کمی اور کمپلیکس کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ان تمام باتوں سے بچنے کے لئے نیک بننا ضروری ہے کہ نیک ہوں گے تو ایک ہوں گے اور اگر نیک نہیں ہوں گے تو کبھی ایک نہیں ہوں گے۔

اس لئے میرے عزیزو! اولاد ایک آزمائش ہے۔ اب یہ انسان پر منحصر ہے کہ اس آزمائش میں کتنا کامیاب ہوتا ہے اور اس اولاد کو اپنے لئے رحمت بنانے کے لئے دونوں اسباب میں سے کون سے اور کتنے اسباب اختیار کرتا ہے جو اللہ اور اس کے رسول نے بتائے ہیں کہ دعاؤں کا اہتمام ہو، رفیقہ حیات کو نیک بنایا جائے، اسے دینی

ماحول فراہم کیا جائے اور خود بھی اپنی زندگی کو بہتر سے بہتر بنایا جائے۔

میرے عزیزو! یہ اللہ کی طرف سے ایک فریضہ ہے۔ ہر ماں باپ پر جیسے نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج فرض ہے ایسے ہی اللہ کا یہ حکم بھی فرض ہے کہ

قُوْا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (سورۃ تحریم ۶)

اپنی جانوں کو اور گھر والوں کو (اولاد کو) آگ سے بچاؤ۔

میرا بچہ آگ کی طرف جا رہا ہو تو نیند نہیں آتی۔ نیند آ بھی رہی ہو تو اڑ جاتی ہے۔ دستر خوان پر بیٹھے ہوں تو بھوک ختم ہو جاتی ہے کہ بچہ آگ کی طرف جا رہا ہے لیکن آج میرا بچہ گناہوں میں مبتلا ہو کر جہنم کی آگ کی طرف جا رہا ہے اور مجھے کوئی فکر ہی نہیں ہے۔ وہ باپ بڑا نادان ہے جو اپنی آنکھوں کے سامنے بچے کو جہنم کی آگ میں جاتا ہوا دیکھ کر اس کی حوصلہ افزائی کر رہا ہے بلکہ ایسے ماحول میں بھیج کر پانچ ہزار، دس ہزار فیس بھی دے رہا ہے۔ کتنی بدقسمتی ہے کہ اولاد کے لئے اتنا پیسہ بھی دے رہا ہے اور ہاتھوں سے اولاد بھی نکل رہی ہے۔ ایسی اولادیں جب بڑی ہوتی ہیں تو ماں باپ کے لئے عذاب بنتی ہیں۔

آج دنیا بھر میں ہر ۴۰ سیکنڈ میں ایک خودکشی ہو رہی ہے۔ اس سے اندازہ لگائیں کہ ایک دن میں کتنی خودکشیاں ہوتی ہوں گی؟ پھر ان ۴۰ سیکنڈ کے اندر خودکشی کی کوشش میں کامیاب ہونے والا شخص ایک ہے اور کوشش کرنے والے ۲۱ ہیں۔ ۲۰ ناکام ہو جاتے ہیں اور عجیب بات ہے کہ کون سی نسل خودکشیاں کر رہی ہے۔ چودہ سال سے لے کر ۳۰، ۳۵ سال کی عمر کے افراد (مرد اور خواتین) خودکشیاں کر رہے ہیں۔ یہ اسکول، کالج اور یونیورسٹیوں کی تعلیم، یہ ٹیوشن سینٹر جو درحقیقت ٹینشن سینٹر

ہیں یہ ان کے نتائج بد ہیں، اسی ماحول کے برے اثرات ہیں کہ آج وہ بچے اور نوجوان جن کی عمریں کھیل کود کی ہوتی ہیں، مزے کرنے کی ہوتی ہیں، ان عمروں کے اندر گناہوں کی نحوست کی وجہ سے اتنے پریشان ہو جاتے ہیں کہ خودکشی کرنے کے لئے تیار ہو جاتے ہیں۔

تو اس کا وبال ماں باپ پر بھی آئے گا کہ انہوں نے اپنی اولاد کو کون سا ماحول دیا تھا؟ کہاں بھیج رہے تھے؟ ماں باپ پیسہ دے رہے ہیں اسٹیٹس بنانے کے چکر میں کہ لوگوں کو پتہ چلے کہ میرا بیٹا فلاں اسکول میں پڑھتا ہے، فلاں کالج میں پڑھتا ہے، فلاں ملک میں پڑھنے کے لئے گیا ہے۔ ارے یہ بتاؤ کہ وہ تمہارا بھی رہا ہے کہ نہیں۔ اس کے دل کے اندر ماں باپ کی عزت کا، عظمت کا، احترام کا جذبہ بھی ہے کہ نہیں؟

تو میرے عزیزو! اولاد کو رحمت بنائیں نعمت بنائیں، صدقہ جاریہ بنائیں، اپنی آنکھوں کی ٹھنڈک بنائیں۔ اس لئے چار اسباب کا اہتمام کریں۔

۱۔ دعاؤں کا اہتمام۔

۲۔ نیک رفیقہ حیات کا انتخاب۔

۳۔ دینی اور ایمانی ماحول کی فراہمی۔

۴۔ اپنی تربیت کی فکر۔

✿✿✿✿✿

عورت

اسلامی معاشرے کے اندر عورت کا بہت اہم کردار اور اعلیٰ مقام ہے لیکن اگر یہ عورت ہی راستے سے ہٹ جائے اور اسلام کی عطا کردہ خوبصورت ہدایات سے محروم ہو جائے تو پھر معاشرے کی بربادی کے لئے کوئی اور چیز درکار نہیں ہوگی اور اگر یہی عورت سنور جائے، بن جائے، اس کی تربیت ہو جائے، نیک ہو جائے، پارسا ہو جائے، پاک دامن بن جائے، باحیا ہو جائے تو یہ نہ صرف معاشرے کو سدھار سکتی ہے بلکہ ایسی عورت تو قوم کا انمول سرمایہ ہوتی ہے۔

عورت کا فتنہ

نفسانی خواہشات کے فتنوں میں تیسرا بڑا فتنہ (فتنة النساء) (عورتوں کا فتنہ) ہے۔ اللہ رب العزت نے قرآن کریم میں شہوت کے فتنوں کا تذکرہ کرتے ہوئے عورت کے فتنے کو ایک بڑا فتنہ قرار دیا ہے۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

"مَا تَرَكْتُ بَعْدِي فِتْنَةً أَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ"

([illegible])

میں نے اپنے بعد مردوں پر عورتوں کے فتنہ سے بڑھ کر کوئی فتنہ نہیں چھوڑا۔

ایک اور جگہ رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

"النِّسَاءُ حَبَائِلُ الشَّيْطَانِ" ([illegible])

عورتیں شیطان کا جال ہیں۔

یہ عورتیں درحقیقت شیطان کا جال ہیں اور شیطان ان کے ذریعے مردوں کو شکار کرتا ہے۔

آپ ﷺ نے ایک اور جگہ یوں بھی ارشاد فرمایا ہے کہ:

"اَلدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ"

([illegible])

یہ دنیا ایک سامان ہے (استعمال کی چیز ہے) اور نیک خاتون بہترین دنیوی سامان ہے۔

نیک عورت، قوم کا سرمایہ

عورت کی ذات میں خیر و شر دونوں پہلو ہیں۔ اگر یہ عورت سنور جائے، بن جائے، اس کی تربیت ہو جائے، نیک ہو جائے، پارسا ہو جائے، پاکدامن ہو جائے، باحیا ہو جائے تو یہ قوم کا سرمایہ ہے۔ اور اگر یہ بگڑ جائے تو پھر اس سے بری کوئی اور چیز نہیں ہے۔

سوسائٹی بنتی ہے عورتوں کے بننے سے، ملک سنورا کرتے ہیں ماؤں کے سنورنے سے، قومیں اس وقت اچھی ہوا کرتی ہیں جب ماؤں کی تربیت کا انداز اچھا ہوا کرتا ہے۔ اچھی مائیں جس قوم کو مل جائیں تو وہ قوم کامیابی کی راہ پر چل پڑتی ہے، وہ معاشرہ کامیاب معاشرہ بن جاتا ہے، لیکن اگر یہ عورت ہی سیدھی راہ سے ہٹ جائے، نور اسلام کی عطا کردہ خوبصورت ہدایت سے محروم ہو جائے تو پھر معاشرے کی بربادی کے لئے کوئی اور چیز درکار نہیں ہوتی۔

دشمنوں کا فارمولا

ایک یہودی مستشرق جس نے اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کیا ہے (مستشرقین سے مراد وہ مغربی لوگ ہیں جو اسلامی تعلیمات کا مطالعہ کرتے ہیں۔) اس نے لکھا ہے کہ امت محمدیہ پر اتنی ہلاکت اور بربادی ایک ہزار حملے کرنے سے بھی نہیں آئے گی جتنی ہلاکت و بربادی اس کے اندر عریانیت اور موسیقی کے عام ہونے سے آئے گی۔ عریانیت، فحاشی اور موسیقی کا حملہ ہزار حملوں سے بھی زیادہ خطرناک حملہ ہے جس کا سب سے بڑا شکار اس وقت مسلمان ہیں۔

محمد بن قاسم کی غیرت

محمد بن قاسم جب اپنی ایک بہن کے دوپٹے کی حفاظت کے لئے بغداد سے سندھ آنے کی تیاری کرنے لگا اس وقت وہ ۱۷ سال کا نوجوان تھا، ۱۷ سال کیا عمر ہوتی ہے لیکن اس زمانے میں مسلمان نوجوانوں میں غیرت کا خون ہوا کرتا تھا اس لئے کہ ان کی ماؤں کے اندر غیرت ہوا کرتی تھی، انہوں نے غیرت والی زندگی دیکھی ہوئی تھی۔ انہیں یہ گوارا نہیں ہوتا تھا کہ کوئی ظالم، کوئی بدبخت مسلمان بچی پر ہاتھ ڈالے۔ تو راجہ داہر جس نے سندھ میں مسلمان بچی کا دوپٹہ کھینچا تھا اس پر حملہ کرنے اور اپنی بہن کی عزت بچانے کے لئے محمد بن قاسم نے لشکر تیار کیا اور جب سندھ آنے لگا تو فکرمند ہوا کہ سندھ کے علاقے سے ناواقف ہوں، فوج کا پتہ نہیں ہے کہ اس کی طاقت کتنی ہے؟ وہاں کے حالات کیسے ہوں گے؟ بہت فکرمند تھا لیکن جب اسے یہ پتہ چلا کہ راجہ داہر بڑا ہی بے حیا قسم کا انسان ہے کہ اس نے اپنی سگی بہن سے شادی رچائی ہوئی ہے تو وہ مطمئن ہوگیا۔ ساتھیوں نے اس سے پوچھا کہ کیا وجہ ہے کہ پہلے تو آپ بڑے فکرمند تھے اور اب مطمئن ہوگئے ہیں؟ تو اس نے جواب دیا کہ مجھے یہ معلوم ہوا ہے کہ وہ بڑا بے حیا ہے اور جو بے حیا ہوتا ہے اس کے اندر غیرت اور شجاعت نہیں ہوتی اس لئے اب وہ میرا مقابلہ نہیں کرسکتا۔

مسلمان یہ بات جانتے تھے کہ جہاں حیا اور غیرت ہوگی وہاں شجاعت اور بہادری بھی ہوگی اور ایمان والی تمام صفات ہوں گی۔ یہی بات وہ یہودی بھی اچھے طریقے سے جانتے تھے جنہوں نے مسلمانوں کی کتابوں کا مطالعہ کر رکھا تھا کہ اگر

انہیں غلام بنانا ہے، اپنے ماتحت رکھنا ہے، ان پر حکمرانی کرنی ہے، ان کی عورتوں کو باندیاں بنا کر رکھنا ہے، ان کے مردوں کو غلام بنا کر رکھنا ہے، خادم بنا کے رکھنا ہے، دنیا کے اندر مسلمانوں کو ذلیل ورسوا کرنا ہے تو پھر واحد طریقہ یہی ہے کہ ان کے اندر سے حیا کو نکال دیا جائے، ان کے اندر عریانیت، فحاشی اور بے حیائی کو عام کر دیا جائے۔

دشمن کی چال

اسی مقصد کے حصول کے لئے آج کل اگر وہ کچھ تعاون کرتے ہیں، کچھ قرضہ بھی دیتے ہیں تو پہلے پوچھتے ہیں کہ ٹھیک ہے ہم تمہیں قرضہ تو دے رہے ہیں لیکن یہ بتاؤ کہ تمہارا نظامِ تعلیم کیسا ہوگا؟ اگر نظامِ تعلیم کے اندر ان کے مقاصد کے مطابق بے حیائی والے تقاضے پورے ہو رہے ہیں تو قبول ہے۔ سب شرطیں پہلے ہی بتا دیتے ہیں کہ یہ نظام ہو، ایسا نصاب ہو، تعلیم دینے کا یہ طریقۂ کار ہو، تب تمہیں اتنا قرضہ دے گا، اتنا تعاون ہوگا۔ انہیں پتہ ہے کہ ہم قرض بھی دے رہے ہیں اور ان کی نسلوں کو برباد بھی کر رہے ہیں۔ تعلیم کے نام سے، رفاہی کاموں کے نام سے، این جی اوز کے نام سے، اور نہ جانے کن کن طریقوں سے وہ امتِ مسلمہ کو شکار کرنے میں لگے ہوئے ہیں۔ ان سب کے نتیجے میں مستقبل میں اس امت پر ایک ایسی بربادی آئے گی کہ پھر یہ امت صحیح سلامت کھڑی نہیں رہ سکے گی۔ کیا عرب اور کیا عجم، کیا مشرق اور کیا مغرب، آج ہر جگہ اور خطے کا مسلمان اسی وبا کا شکار ہے۔

نوجوان نسل کی سوچ

آج کے نوجوان سے پوچھو تو اس کی ایک ہی خواہش ہے کہ پیٹ بھر جائے

اور شہوت پوری ہو جائے۔ اس کے علاوہ کوئی سوچ فکر نہیں ہے۔ سفید چمڑی نے آج کے نوجوان کو ایسا اندھا کیا ہے کہ اس کے دل کے اندر سے ماں باپ کا احترام بھی ختم ہو گیا ہے۔ جب اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ کو نہیں مانتا تو ماں باپ، خاندان، بڑے بزرگ اور اسلامی روایات کس کھاتے میں ہیں؟ پھر اسے کسی چیز کی پرواہ نہیں ہوتی۔ گوری چمڑی ہے ہی ایسی خطرناک چیز، یہ سحر ہے، جادو ہے اور جب بندہ اس کا شکار ہو جاتا ہے تو اسے کچھ بھی سمجھ نہیں آتا۔

لیلیٰ اور مجنوں کا قصہ تو مشہور ہے۔ اب تو ایسا لگتا ہے کہ معاشرے میں ہر دوسری کہانی لیلیٰ اور مجنوں کی ہے۔ اب تو حالت یہاں تک آ پہنچی ہے کہ بنے بنائے آباد و خوشحال، بال بچوں والے گھرانے لیلیٰ اور مجنوں کے قصوں کی نحوست کی وجہ سے اجڑ جاتے ہیں۔

اس چیز نے معاشرے کو برباد کر کے رکھ دیا ہے۔ پہلے معاشرے کے اندر طلاق اور خلع کا نام ہی نہیں تھا اور آج لگتا ہے کہ مسلمانوں کے اندر کام ہی یہی رہ گیا ہے۔ ہر گھر کے اندر یہی فساد برپا ہے۔ کیا مال کی کمی ہے؟ یا پیسوں کی کمی ہے؟ یا نوکریاں نہیں مل رہیں؟ یہ بات بھی نہیں ہے کہ مال تھوڑا لے کر آئی ہو بلکہ بہت بڑا جہیز لے کے آئی ہے اور شوہر نے بھی اپنی شادی پر بڑا خرچہ کیا ہے لیکن بے حیائی کا سدباب نہ شوہر نے کیا، نہ بیوی نے کیا اور نہ ان کے ماں باپ نے کیا۔

آج اگر جہیز تیار ہو اور گھر میں ڈاکہ پڑ جائے تو سب پریشان ہو جاتے ہیں۔ ماں پریشان، باپ پریشان کہ بیٹی اب دوسرے گھر میں کیسے جائے گی؟ اس کو ساس تنگ کرے گی، سہیلیاں طعنے دیں گی۔ اس کی شادی کیسے ہوگی؟ آج ماں باپ

کو یہ تمام فکریں تو ضرور ہیں لیکن یہ فکر ہرگز نہیں ہے کہ بیٹی حیا کی دولت سے محروم ہے تو یہ اگلا گھر کیسے آباد کرے گی؟ اس کی آنکھوں میں حیا نہیں ہے، اس کا دل پاکیزہ نہیں رہا، اس کے دوست بہت بن گئے ہیں۔ کالج میں بھی ہیں، یونیورسٹی میں بھی ہیں اور جہاں جہاں اس کا اٹھنا بیٹھنا ہے وہاں بھی اس کے دوست ہیں تو یہ شوہر کو کیسے قبول کرے گی؟ پہلے تو بیٹی جب گھر سے جاتی تھی تو اس کے دل کے اندر صرف ایک شوہر ہوا کرتا تھا۔ اور اب تو نہ جانے اس نے دل کے اندر کتنے بٹھائے ہوئے ہوتے ہیں۔

پھر جب یہ لڑکی اپنے شوہر کے گھر جاتی ہے تو ظاہر ہے کہ گھر ہے، اونچ نیچ تو ہو ہی جاتی ہے۔ شوہر جو ہے، اس کے مزاج میں کبھی گرمی، کبھی سردی، کبھی سختی، کبھی نرمی ہوتی ہے، غصہ بھی آجاتا ہے تو اسے وہی پرانے دوست یاد آتے ہیں جن کے ساتھ اس نے کلبوں میں، پارکوں میں اور نہ جانے کہاں کہاں دن اور رات گزارے تھے۔ وہ ان سے دوبارہ روابط قائم کرتی ہے اور اپنے دکھڑے سنا کر ان سے اپنے شوہر کے خلاف مدد اور ہمدردی کی طالب ہوتی ہے۔ یہی چیز اس کی ازدواجی زندگی کو برباد کر دیتی ہے۔ یہی سب کچھ معاشرے پر بیت رہا ہے اور تمام لوگ اپنی آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔

معاشرے کو فساد سے بچانے کا راستہ

آقائے مدنی ﷺ نے چودہ صدیاں پہلے اپنی امت کو سمجھایا تھا کہ اپنے معاشرے کو فساد سے بچانے کا راستہ یہی ہے کہ اپنے گھروں میں، اپنی سوسائٹی میں، اپنے بازاروں میں اسلامی معاشرت (جس میں حیا ہے، جس میں پاکدامنی ہے، جس

میں عزتِ نفس ہے، جس میں غیرت ہے) زندہ کرو۔ اس کے زندہ کرنے سے تم خود بھی بچ جاؤ گے تمہاری نسلیں بھی بچ جائیں گی، اولادیں بھی بچ جائیں گی، گھر بھی بچ جائیں گے، بیٹیاں بھی بچ جائیں گی، ان کے گھر بھی آباد ہو جائیں گے اور نوجوانوں کا شباب بھی بچ جائے گا۔

اسی لئے تو آقائے مدنی ﷺ نے فرمایا:

" فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ " [صحیح مسلم، ج ۲، کتاب الرقاق باب اکثر اہل الجنۃ الفقراء، ص ۳۵۳]

دنیا (کی محبت) سے بچنا اور عورتوں (کے فتنے) سے بچنا (ڈرتے رہنا)

اور پھر عجیب بات فرمائی کہ

" فَإِنَّ أَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِي إِسْرَائِيلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ " (حوالہ بالا)

بنی اسرائیل کی قوم کے اندر بھی سب سے پہلا فتنہ عورتوں کا تھا۔

میرے عزیزو! میں عرض یہ کر رہا ہوں کہ عورت اگر اسلامی روایات پہ عمل کرے تو امت، انسانیت اور معاشرے کا قیمتی سرمایہ ہے۔ قومیں اسی سے بنتی ہیں، اسی سے سنورتی ہیں۔ اگر اس کے اندر سے اسلامی روایات نکل جائیں، اسلامی زندگی نکل جائے، اسلامی معاشرت نکل جائے، حیا نکل جائے تو پھر اس سے بڑا کوئی فتنہ نہیں ہے۔ بڑے بڑوں کی عقل اس فتنے سے ماؤف ہو جاتی ہے۔ اچھے اچھوں کے دل بھی اس فتنے کا شکار ہو جاتے ہیں۔

اس لئے حضور ﷺ نے فرمایا کہ خیال کرنا، اور آج حال یہ ہے کہ سر سے لے کر پاؤں تک پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ وہی مسلمان بیٹی ہے جس کا تعلق فاطمہ رضی اللہ عنہا جیسی باحیا بیٹی کے ساتھ ہے، عائشہ رضی اللہ عنہا جیسی پاکیزہ خاتون کے ساتھ ہے جن کی

پاکدامنی پر اللہ پاک نے قرآن میں جا بجا دسیوں آیتیں اتار دیں۔ پتہ چلا کہ اس کا تعلق ایمان کی بنیاد سے ہے۔

آج ایک نسل ہمارے معاشرے میں موجود ہے جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا ہے:

"صنفان من اهل النار" دو قسم کے لوگ جہنمی ہیں۔

"لم ارهما" میں نے ان کو نہیں دیکھا ہے۔

میرے زمانے کے اندر نہیں ہیں۔ ان میں ایک کی خاصیت یہ ہوگی کہ

"قوم معهم سياط كاذناب البقر يضربون بها الناس"

ان کے پاس گائے کی دم کی طرح کوڑے ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو ماریں گے۔

یعنی ایک تو وہ لوگ ہوں گے جو ظلم کریں گے، یہ جنت میں نہیں جائیں گے اور دوسرا گروہ ہوگا جس میں عورتیں شامل ہوں گی۔

"ونساء كاسيات عاريات مميلات مائلات رؤوسهن كاسنمة البخت المائلة لا يدخلن الجنة ولا يجدن ريحها وان ريحها لتوجد من مسيرة كذا وكذا"

(صحیح مسلم، باب [illegible])

(دوسرا طبقہ) ایسی عورتوں پر مشتمل ہوگا جو لباس پہنے ہوئے ہوں گی لیکن پھر بھی ننگی ہوں گی، مائل کرنے والی ہوں گی، مائل ہو جانے والی ہوں گی، ان کے سر (کے اوپر بال) اونٹوں کے کوہان کی مانند ہوں گے، وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گی اور جنت کی خوشبو بھی نہیں پائیں گی حالانکہ اس کی خوشبو تو

اتنے فاصلے (یعنی بہت طویل فاصلے) سے بھی پائی جا سکتی ہے۔

اس پاکیزہ دور کے اندر صحابہ ؓ نے تو نبی ﷺ کی بات کی تصدیق کر دی تھی حالانکہ انہوں نے تو ایسی مخلوق دیکھی ہی نہیں تھی کہ لباس بھی پہنا ہو اور پھر بھی ننگی ہو۔ اور آج تو ایسی مخلوق ہر قدم پر نظر آتی ہے۔ بازار، گلیاں، گھر، کالج، یونیورسٹی، ہر جگہ ایسی مخلوق نظر آتی ہے۔ لباس ہے لیکن اتنا باریک ہے کہ اندر کا سارا جسم جھلکتا ہے یعنی اپنے جسم کی نمائش ہو رہی ہے یا اتنا باریک، اتنا چست، اتنا مختصر ہے کہ وہ لباس لباس ہی نہیں ہے تو نبوت کی زبان سے جو الفاظ نکلے ہیں وہ بڑے معجزانہ ہیں کہ ایک دور آئے گا جب ایسی مخلوق ہر جگہ نظر آئے گی۔

پھر فرمایا کہ ایسی عورتیں بھی ہوں گی جو خود بھی مائل ہو جائیں گی اور دوسروں کو بھی مائل کریں گی۔ اپنے طرزِ عمل سے، اپنے کردار سے، اپنی باتوں سے، اپنے مختلف مکر و فریب سے نوجوانوں کی جوانیاں داغدار کریں گی، گھروں کو اجاڑیں گی۔ صاحب گھر سے روٹھ کر چلے گئے اس لئے کہ آج بیوی نے وقت پر چائے نہیں دی۔ دفتر گئے تو ان کی ملازمہ (سیکرٹری) نے جو دفتر میں ان کی خادمہ تھی، اس نے بڑے پیار سے کہا کہ سر! لیجئے میں آپ کے لئے چائے بناتی ہوں۔ اس کے دل کے اندر اس کے میٹھے بولوں سے اُس کی محبت آگئی اور گھر والی بیوی سے نفرت پیدا ہو گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ گھر اجڑ گیا۔

آج دیکھ لیجئے کہ دفتروں میں، فیکٹریوں میں، کاروباری جگہوں پر ہر طرف عورتیں ہی عورتیں بھری پڑی ہیں۔ عجیب بدقسمتی ہے کہ نوجوان بے روزگار ہیں اور عورتیں کام کر رہی ہیں۔ بعض جگہ تو شوہر بے روزگار ہے اور بیوی کام کر رہی ہے۔

مردوں کو تو کام کرنے کی فکر ہی نہیں ہے۔ عورتیں کر رہی ہیں اور یہ سوچ کر کر رہی ہیں کہ اگر نہیں کروں گی تو کیا بنے گا اور مرد گھر میں بیٹھے بیویوں اور بیٹیوں کی کمائی پر مزے اڑا رہے ہیں، یہ تو غیرت کے خلاف ہے۔

جہنم میں داخل ہونے والی عورتوں کے بارے میں آپ ﷺ نے مزید تفصیل بتاتے ہوئے فرمایا کہ ان عورتوں کے سروں کے بال یوں اوپر ہوں گے جیسے اونٹ کی کوہان ہوتی ہے۔ یہ عورتیں جنت میں داخل نہیں ہوں گی، جنت تو کیا جنت کی خوشبو تک بھی نہیں سونگھ پائیں گی حالانکہ جنت کی خوشبو تو میلوں کے فاصلے سے سونگھی جا سکتی ہے۔ یہ جنت سے اتنی دور کر دی جائیں گی کہ خوشبو بھی نہیں سونگھ پائیں گی۔

تو میرے عزیزو! رسول کریم ﷺ نے اس فتنے سے خبردار فرمایا ہے۔ قرآن و حدیث میں بہت ساری ایسی ہدایات ہیں جن کی روشنی میں ہم اپنی زندگی گھروں کو اس فتنے سے بچا سکتے ہیں۔ ابھی پانی سر سے اونچا نہیں ہوا۔ اب بھی موقع ہے اگر ہم سنبھلنا چاہیں تو سنبھل سکتے ہیں۔ لیکن اگر سستی یوں ہی باقی رہی، غفلت یوں ہی برقرار رہی، یوں ہی دن گزرتے رہے تو یاد رکھئے کہ ہماری نسلیں محفوظ نہیں رہیں گی۔ پھر ہماری بیٹیاں ہمارے سامنے وہ کچھ کریں گی جسے دیکھ کر ہمارا خون کھولے گا لیکن ہم کچھ نہیں کہہ سکیں گے۔ ہمارے نوجوان بیٹے ہمارے سامنے ایسا تماشہ کریں گے کہ ہم روکنا بھی چاہیں گے تو روک نہیں پائیں گے۔ اگر آج ہم ہاتھ پر ہاتھ رکھے یوں ہی بیٹھے رہے (اور کہتے رہے کہ یہ زمانے کا تقاضا ہے۔ ہم کیا کر سکتے ہیں؟) تو پھر ہمارا انجام بہت برا ہوگا جیسے مغربی ممالک میں ہو رہا ہے۔

فتنۂ نساء سے بچاؤ کی قرآنی ہدایات

قرآن و حدیث میں اس فتنے سے بچاؤ کے لئے بھی بہت سی ہدایات دی گئی ہیں تاکہ عورت معاشرے کے لئے فساد نہ بنے۔ اس لئے اللہ نے اس کی معاشرتی زندگی سدھارنے کے لئے بہت سی ہدایات دی ہیں۔

پہلی ہدایت

پہلی چیز اور پہلی ہدایت جو قرآن کریم نے اس فتنے سے بچاؤ کے لئے دی ہے وہ اسلامی معاشرے کے لئے سب سے زیادہ بنیادی بات ہے اور وہ پردے کا اہتمام ہے۔ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ جب یہ آیت اتری کہ

﴿وَلْيَضْرِبْنَ بِخُمُرِهِنَّ عَلَىٰ جُيُوبِهِنَّ﴾ (سورۃ نور ۳۱)

اور ڈال لیں اپنی اوڑھنی اپنے گریبانوں پر۔

تو اللہ تعالیٰ رحم فرمائے مہاجرات پر کہ اس آیت کے اترنے کے بعد وہ ایسا لباس پہنتی تھیں، ایسی اوڑھنی اوڑھتی تھیں کہ سوائے ایک آنکھ کے ان کے جسم کا کوئی اور حصہ نظر نہیں آتا تھا۔ اور اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ

﴿وَإِذَا سَأَلْتُمُوهُنَّ مَتَاعًا فَاسْأَلُوهُنَّ مِن وَرَاءِ حِجَابٍ﴾

(سورۃ احزاب ۵۳)

اے مسلمانو! جب تم (خواتین سے) امہات المومنین سے کسی چیز کا سوال کرو (کوئی چیز لینا چاہو) تو پردے کے پیچھے سے سوال کیا کرو۔

یہ حکم حضرات صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دیا جا رہا ہے حالانکہ ان کے سامنے جو خواتین تھیں وہ امہات المومنین تھیں، جنہیں حضور ﷺ کی ازواج مطہرات ہونے کا شرف

جب وہ آپ کے گھر میں داخل ہونے لگے تو حضور ﷺ نے اپنی ازواج کو کہا کہ تم اندر چلی جاؤ۔ امہات المؤمنین نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ان کی تو آنکھیں ہی نہیں ہیں۔ یہ تو دیکھ ہی نہیں سکتے۔ تو حضور ﷺ نے فرمایا:

" اَفَعَمْیَاوَانِ اَنْتُمَا؟ " کیا تم دونوں (بھی) نابینا ہو؟

وہ (صحابی) نہیں دیکھ سکتا تو کیا ہوا؟ تم تو اندھی نہیں ہو تمہاری تو آنکھیں ہیں اس لئے تم اندر چلی جاؤ۔ (مشکوٰۃ المصابیح، کتاب النکاح، باب النظر الی المخطوبۃ، ص ۲۶۹)

اللہ اکبر۔ ایک طرف حضرت عبداللہ بن ام مکتوم رضی اللہ عنہ، ایسے صحابی کہ جن کی دلجوئی کے لئے اللہ تعالیٰ نے سورۃ اتاری تھی اور دوسری طرف حضور ﷺ کی ازواج مطہرات، لیکن احتیاط کیا بتائی جا رہی ہے؟ سبق کیا دیا جا رہا ہے کہ تم بھی انہیں نہ دیکھنا، اس لئے کہ اگر یہ راستہ کھل گیا تو پھر امت کو بربادی سے کوئی چیز نہیں بچا سکے گی۔ اسی لئے فرمایا:

﴿ذٰلِكُمْ اَطْهَرُ لِقُلُوْبِكُمْ وَقُلُوْبِهِنَّ﴾ (سورۃ الاحزاب: ۵۳)

اس میں تمہارے اور ان (خواتین) کے دلوں کے لئے خوب ستھرائی (صفائی) ہے۔

اس سے تمہارے دل صاف رہیں گے ان کے دل بھی صاف رہیں گے۔

یہ تمام باتیں میں قرآن کریم کی عرض کر رہا ہوں۔

پردے کا مسئلہ

آج کل بہت فتنے ہیں، ایک بڑا فتنہ یہ ہے کہ جی پردے کی کیا ضرورت ہے؟ یہ ہماری کزن ہی تو ہے، یہ ہماری خالہ کی بیٹی ہی تو ہے۔ بھئی پردہ کیسے ہو سکتا

ہے۔ اس نے دنیا میں پڑھنے بھی تو جانا ہے، ٹیوشن بھی جانا ہے، بچی کو یونیورسٹی بھی جانا ہے، کالج بھی جانا ہے۔ تو یہ بات ذہن میں رکھیں یہ اللہ کے قرآن کی آیات ہیں اور اللہ ماؤں سے زیادہ مہربان ذات ہے۔ اس سے زیادہ انسانیت پر شفقت اور مہربانی کرنے والا کوئی نہیں۔ اگر اس کے کلام کے اندر کوئی حکم ہے تو میرے عزیز و! انسانیت کا بھلا اسی میں ہے، انسانیت کی فلاح اسی کے اندر ہے۔ مہربان مولیٰ کا حکم ہے کہ

اے نبی! خواتین کو کہہ دو کہ پردہ کی خاطر اپنے چہرے پر چادر ڈال لیا کریں۔

﴿قُلْ لِّاَزْوَاجِكَ وَبَنٰتِكَ وَنِسَآءِ الْمُؤْمِنِيْنَ يُدْنِيْنَ عَلَيْهِنَّ مِنْ جَلَابِيْبِهِنَّ﴾ (سورۃ الاحزاب ۵۹)

اے نبی! آپ اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مومنین کی عورتوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی چادروں کو اپنے چہرے پر ڈال لیا کریں۔

ایک غلط دلیل

بعض نادان، شہوت پرست اور امت کو بے حیائی میں دھکیلنے والے کہتے ہیں کہ جی اس زمانے میں چونکہ منافق مسلمان عورتوں کو چھیڑا کرتے تھے اس لئے پردے کا حکم آ گیا تھا۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ آج سارا معاشرہ شرفاء سے بھرا ہوا ہے اور اس زمانے میں منافقین تھے۔

آج بچیاں اغوا ہو رہی ہیں، کالجوں سے بھاگ رہی ہیں، یونیورسٹیوں سے فرار ہو رہی ہیں، گھر گھر کے اندر فتنہ برپا ہے تو اس کا کیا مطلب ہے؟ کیا اس زمانے میں منافقین تھے اور آج سب شرفاء ہیں؟ (العیاذ باللہ) یہ سوچ اس طبقہ کی ہے جو بظاہر دانشور ہے، بظاہر اسلام کا مفکر ہے، بظاہر روشن خیال ہے لیکن ان جیسا بے دین اور ملحد

کوئی نہیں ہے، یہ وہ لوگ ہیں جو امت کو بے حیائی کے راستے پر لے کر جا رہے ہیں۔

اسلامی چینلز کے نام سے باطل کی تبلیغ

اسلام کی نام نہاد تبلیغ اور اپنی خفت مٹانے کے لئے اس دور میں اسلامی چینل بھی بہت سارے کھولے گئے ہیں جو در حقیقت اسلامی چینل نہیں ہیں بلکہ باطل کی تبلیغ کا مرکز ہیں، ان کا اصل مقصد عوام الناس کو اسلام کی روح سے محروم کرنا ہے اور ان پر پیش کئے جانے والے اکثر پروگراموں کے میزبان طبقے کی اکثریت بے دینوں پر مشتمل ہے۔

کوئی قرآن کا منکر ہے تو کوئی حدیث کا منکر ہے اور کوئی دہریہ ہے لیکن لبادہ سب نے اسلام کا اوڑھ رکھا ہے تاکہ اسلام کا نام لے کر لوگوں کو اسلام سے دور کر دیا جائے، قرآن کا نام لے کر قرآن کے ذریعے لوگوں کو گمراہ کر دیا جائے۔ پہلے مسلمان گناہ کرتا تھا اور اسے اپنے گناہ کا احساس بھی ہوتا تھا، وہ شرمندہ بھی ہوتا تھا اور کبھی توبہ بھی کر لیا کرتا تھا۔ ان چینلز کے ذریعے ایسی محنت کی جا رہی ہے کہ بندہ گناہ بھی کرے اور اپنے گناہ کو گناہ بھی نہ سمجھے، بے حیا بھی بن جائے اور بے حیائی کا احساس بھی اس کے اندر سے نکل جائے، اس کے گھر کے اندر سے پاکدامنی بھی نکل جائے اور پھر اس کے اندر یہ شعور بھی نہ رہے کہ یہ کیا ہو رہا ہے۔

قرآن فتنوں کا معالج ہے

یہ سارا طبقہ جو میڈیا پر آ رہا ہے اسی سوچ کو پیدا کرنے کے لئے ہے۔ لیکن ان کی تمام کوششوں اور جد وجہد کے باوجود اللہ کا کلام موجود ہے اور قیامت تک رہے

گا اور فتنوں کے سدِ باب کا اس سے بڑا کوئی ذریعہ نہیں ہے۔

پردے کے حکم کے ضمن میں مسلمان خواتین کو اس بات کا بھی حکم دیا گیا کہ

﴿وَلَا يَضْرِبْنَ بِأَرْجُلِهِنَّ لِيُعْلَمَ مَا يُخْفِينَ مِن زِينَتِهِنَّ﴾ (سورۃ النور، ۳۱)

اور اپنے پاؤں زمین پر مار کر نہ چلیں کہ (اس سے) ان کی خفیہ زیب و زینت کی چیزیں (زیورات اور پازیب وغیرہ) ظاہر نہ ہو جائیں۔

مسلمان عورتوں سے کہا کہ تم اپنے پاؤں کو بھی زمین پر زور سے نہ مارنا (اس لئے کہ وہ خواتین اپنے پاؤں کے اندر پازیب پہنا کرتی تھیں۔) ایسا نہ ہو کہ تمہارے پاؤں کی آواز آ جائے اور کسی شخص کی نظریں تمہاری طرف متوجہ ہو جائیں۔ اسلام نے احتیاط سکھائی ہے کہ اپنے پاؤں کو زمین پر زور سے نہ مارنا کہیں تمہارا مخفی حسن ظاہر نہ ہو جائے اور مزید فرمایا کہ

﴿فَلَا تَخْضَعْنَ بِالْقَوْلِ﴾ (سورۃ الاحزاب، ۳۲)

سو تم دب کر بات نہ کرو۔

جب تم کسی غیر مرد سے مجبوراً گفتگو کرنے لگو تو اپنی آواز میں جان بوجھ کے نرمی پیدا کر کے نرم گفتگو نہ کرنا، ہو سکتا ہے سامنے والے کے دل کے اندر کوئی بیماری ہو اور وہ بیماری تمہاری اس نرم گفتگو سے کہیں بڑھ نہ جائے۔ (سبحان اللہ) واقعی قرآن کی آیتیں معجزہ ہیں۔

آواز کا پردہ بھی ضروری ہے

عورت کی آواز کے اندر بھی کشش ہوتی ہے تب ہی تو اللہ کے کلام نے سختی سے بات کرنے کا اہتمام کرایا ہے۔ اللہ پاک نے آسمان سے ہدایات بھیجی ہیں

کہ عورت کی آواز میں بھی فتنہ ہے۔

آج جب بات چلتی ہے ٹیلی فون پر تو نہ اس نے اُس کو دیکھا ہوتا ہے اور نہ اُس نے اِس کو دیکھا ہوتا ہے لیکن ٹیلی فونک رابطے سے ہی دونوں پر جادو ہو جاتا ہے اور دونوں ایک دوسرے کے عشق (جو حقیقت میں فسق ہے) میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ ایک دوسرے کو دیکھا نہیں ہوتا لیکن بن دیکھے ہی انٹرنیٹ، ٹیلی فون اور موبائل فون کے ذریعے ایک دوسرے کے عشق میں مبتلا ہو جاتے ہیں۔ بندے نے دیکھا نہیں ہوتا محرمہ کو لیکن صرف آواز سنتے سنتے اپنا ایمان دے بیٹھتا ہے، اپنی عزت دے بیٹھتا ہے، اپنی پاکدامنی کو داغدار کر بیٹھتا ہے۔ اسی لئے اس فتنے سے بچنے کے لئے قرآن کریم نے خوب اہتمام کروایا ہے کہ اگر کسی سے بات بھی کرنی پڑ جائے تو زبان کے اندر تلخی پیدا کر لینا، نرم گفتگو نہ کرنا اور ساتھ یہ بھی فرمایا کہ اس کا اہتمام کرنا، اگر اس کا اہتمام کرو گے تو تب ہی تم محفوظ رہو گے۔

پردے کے بارے میں مردوں کو مخاطب کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا ہے کہ

﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ﴾

(سورۃ النور:۳۰)

(اے نبی) آپ ایمان والوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھیں اور اپنے ستر کی حفاظت کریں۔

یعنی اے ایمان والو! اگر تم عورتوں کے فتنے سے بچنا چاہتے ہو تو اپنی نگاہوں کو نیچے رکھو۔ کیوں؟ اس سے تمہاری شرمگاہیں محفوظ ہو جائیں گی کیونکہ جس کی

نگاہیں قابو میں نہیں اس کا دل قابو میں نہیں، اور جس کا دل قابو میں نہیں اس کی شرم وحیا قابو میں نہیں۔ کوئی یہ کہے کہ میں تو خواتین کو دیکھتا ہوں مگر مجھے تو کچھ بھی نہیں ہوتا تو وہ تو اپنی مردانگی کی فکر کرے۔ ایسا ہو ہی نہیں سکتا کہ مرد ہو اور اس کی طبیعت پر کچھ اثر ہی نہ ہو۔ اگر ایسا ہوتا تو اللہ تعالیٰ کبھی ایمان والوں سے یہ نہ کہتے کہ اپنی نگاہوں کو نیچے رکھو۔ یقیناً اس کے اندر فتنہ ہے تب ہی تو اللہ نے کہا ہے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھو۔ اور عورتوں سے بھی یہی ارشاد فرمایا ہے کہ تم بھی اپنی نگاہوں کو نیچے رکھو۔ (سورۃ نور ۳۱)

حضور ﷺ کے داماد حضرت علی رضی اللہ عنہ کتنے نیک آدمی ہوں گے تقویٰ کے کتنے اعلیٰ درجے پر ہوں گے؟ کتنے پاک دامن اور باحیا ہوں گے کہ اللہ کے رسول ﷺ نے اپنی بیٹی کے لئے انہیں پسند فرمایا لیکن ان سب کے باوجود حضرت علی کرم اللہ وجہہٗ سے بھی آپ ﷺ نے فرمایا:

" یا علی لا تتبع النظرۃ النظرۃ " ([illegible] ص ۲۰۹)

اے علی! ایک کے بعد دوسری نگاہ نہ ڈالنا۔

یعنی ایک مرتبہ غیر محرم پر نگاہ پڑنے کے بعد دوسری نگاہ نہ ڈالنا اگر اچانک نگاہ پڑ بھی جائے تو فوراً ہٹا لینا اس لئے کہ پہلی (اچانک پڑنے والی) نظر معاف ہے اور دوسری نظر تیرے اوپر وبال ہے۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جن کا تقویٰ اور ایمان پہاڑوں جیسا، جن کی پاک دامنی پر ذرہ برابر بھی شک نہیں لیکن رسولِ کریم ﷺ فرما رہے ہیں:

" یا علی لا تتبع النظرۃ النظرۃ " (ایضاً)

حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ صحابیِ رسول ہیں۔ فرماتے ہیں کہ میں نے

رسول کریم ﷺ سے اچانک پڑ جانے والی نظر کے بارے میں پوچھا کہ: اے اللہ کے رسول!! اگر اچانک نظر پڑ جائے تو کیا کریں؟ تو آپ ﷺ نے مجھے حکم دیا کہ اگر فتنے سے بچنا چاہتے ہو تو فوراً اپنی نگاہ کو ہٹا لو۔ (صحیح مسلم، کتاب الآداب، باب نظر الفجاءۃ، ج ۲، ص ۲۱۲)

یہ تو ایک ظاہری سبب ہے اس فتنے سے بچاؤ کے لئے۔ اس کے علاوہ گھروں کے اندر آنے والے رسائل جو ہماری بچیاں بھی پڑھتی ہیں، بچے بھی پڑھتے ہیں اور ان کے اندر جو تصویریں ہوتی ہیں وہ کس قدر بیہودہ ہوتی ہیں۔ (الامان والحفیظ)

ماضی کی تصویر

اگر آج سے بیس سال پہلے کے زمانے اور ماحول کا تصور کیا جائے تو کیا ہم یہ سوچ سکتے تھے کہ مسلمانوں کے گھروں میں ایسا لٹریچر آ سکتا ہے؟ جیسا لٹریچر آج کل میرے گھر میں آتا ہے۔ سوچ بھی نہیں سکتے تھے لیکن دشمن نے سلو پوائزن (آہستہ آہستہ زہر) کے ذریعے ہمارے اندر بے حیائی کے جراثیم بھر دیئے۔ بے حیائی والے سائن بورڈ لگا دیئے، ٹی وی پر اخلاقیات سے بالاتر ڈرامے پیش کئے۔ آہستہ آہستہ میڈیا کے ذریعے برین واشنگ کر کے ہمیں اس سطح پر پہنچا دیا کہ اب بڑی سے بڑی بے حیائی بھی ہماری طبیعت پر گراں نہیں گزرتی۔ بے حیائی کے سلو پوائزن سے دشمن نے ہمارے اندر سے حیا کا مادہ ہی ختم کر ڈالا۔ اسلامی معاشرے سے غیرت کے جراثیم کا مکمل طور پر خاتمہ کر دیا۔

پہلے سائن بورڈز کے اوپر مرد کی تصویر ہوا کرتی تھی، پھر عورت کی تصویر آئی، پھر مرد و عورت دونوں کی تصویر آئی، پھر عورت کا لباس تھوڑا سا کم ہوا، پھر اور کم ہوا

اور پھر بالکل ہی عریاں ہوگئی۔ یہ سب کام آہستہ آہستہ اس لئے کیا گیا کہ یہ لوگ تھوڑا تھوڑا برداشت کرسکیں، بے حیائی کو آہستہ آہستہ (تدریجاً) قبول کرسکیں۔ یہی انداز میڈیا نے اپنایا، یہی انداز اخبارات نے اختیار کیا اور اسی انداز کو رسائل نے بھی نقل کیا۔ ہم نے ان سے اثر لیا اور نوبت یہاں تک آپہنچی۔

ایمان کے معاملے میں سادہ نہ بنیں

میرے عزیزو! پتہ نہیں کیوں ہم اتنے سادہ ہیں۔ اتنی سادگی بھی تو اچھی نہیں ہے کہ جس سے ایمان ہی لٹ جائے، حیا ہی ختم ہو جائے، اولادیں ہی برباد ہو جائیں اور گھروں سے یہ دولت ہی رخصت ہو جائے۔ اس لئے اگر اس فتنہ سے بچنا ہے تو اس بات کا اہتمام ضروری ہے کہ اس گندگی (بے ہودہ اخبارات و رسائل) کو اپنے گھروں میں نہ آنے دیں۔ آج اگر ہم ہمت کریں گے تو ہماری اولادیں ہمیں دعائیں دیں گی کہ ہمارا ایمان بچ گیا ورنہ آئندہ آنے والی نسلیں ہمیں کوسیں گی۔

میرے عزیزو! عورتوں کے فتنے سے بچنے کے لئے اللہ اور اس کے رسول ﷺ نے ہدایات دی ہیں کہ عورتوں کو پردہ (حجاب) کی دولت سے سرفراز کریں۔ آپ کے پاس اگر ہیرا ہو تو آپ اسے باہر روڈ پر نہیں رکھتے، نہ چھت پر رکھتے ہیں، نہ دروازے پر رکھتے ہیں، نہ دکان کے اندر سب کے سامنے رکھتے ہیں، اس لئے کہ ہیرا قیمتی چیز ہے لہٰذا اسے سنبھال کر رکھتے ہیں۔

تو میرے بھائیو! حقیقت یہ ہے کہ اسلام کے سرمائے میں عورت ہیرے سے زیادہ قیمتی ہے اس لئے اسلام اسے چھپائے رکھتا ہے کیونکہ اس کی گود میں امت

کے افراد نے تربیت پانی ہے۔ خدانخواستہ یہ ادارہ کمزور ہوگیا اور اس کی حیا کا مرکز یہ ختم ہو گیا تو یہ بانجھ ہو جائے گی، پھر امت کو رجال کار (کام کرنے والے افراد) نہیں ملیں گے، ملک اور قوم کو وفادار نسل نہیں ملے گی، پھر ملت بیکار ہو جائے گی۔ اس لئے یہ قیمتی دولت ہے۔ اللہ اور اللہ کے رسول ﷺ نے ہدایت دی ہے کہ اسے بچا کے رکھیں، سنبھال کے رکھیں، اسی میں معاشرے کی بھلائی اور فلاح ہے۔ گھر اور خاندان کی خیر و عافیت اسی میں مضمر ہے کہ پردے کا اہتمام کروایا جائے۔

دوسری ہدایت

دوسری چیز اور ہدایت جو قرآن کریم نے اس فتنہ سے بچاؤ کے لئے بتائی ہے وہ ہے گھر میں سکون کے ساتھ رہنا کہ حتی الامکان عورت گھر میں رہے۔

ارشادِ خداوندی ہے:

﴿وَقَرْنَ فِي بُيُوتِكُنَّ﴾ (سورۃ الاحزاب:۳۳)

اور قرار پکڑو (رہو) اپنے گھروں میں۔

اللہ نے اس کائنات کا نظام چلانا ہے اور اللہ حکیم بھی ہے، انسانی نفسیات سے واقف بھی ہے، اس کی کمزوریوں کو اللہ سے بڑھ کر کوئی نہیں جانتا۔ اسی رب ذوالجلال نے عورت اور مرد دونوں کے اندر کچھ خصوصی اور ایک دوسرے سے الگ صلاحیتیں رکھی ہیں جن کی بنا پر دونوں کی صلاحیتوں میں بڑا فرق آجاتا ہے اور اسی بنیاد پر اللہ پاک نے دونوں کا دائرہ کار اور کام کرنے کی جگہیں بھی علیحدہ علیحدہ رکھی ہیں۔

یہ عورت ہی کا دل گردہ ہے کہ وہ رات میں دس مرتبہ اولاد کی گندگی صاف

کرتی ہے پھر بھی اسے اپنے سینے سے لگا کر سلاتی ہے۔ مرد ایسا نہیں کر سکتا۔ یہ عورت ہی کی ہمت ہے کہ بچہ چاہے کتنا ہی چڑ چڑے پن والا ہی کیوں نہ ہو، کتنا ہی رونے والا اور تنگ کرنے والا کیوں نہ ہو مگر وہ اسے دل کا ٹکڑا سمجھتی ہے، اور اسے کھلاتی ہے، پلاتی ہے، پاس بٹھاتی ہے، سب کچھ کرتی ہے، یہ عورت ہی کا کام ہے۔ مرد کے اندر وہ شفقت ہے ہی نہیں جو اللہ نے عورت کے اندر رکھی ہے۔ ہر ایک کی صلاحیتیں الگ الگ ہیں۔ کچھ صلاحیتیں مرد کے اندر ہیں۔ کچھ عورت کے اندر ہیں۔

پیارے رسول ﷺ نے جب اپنی بیٹی حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (جنہیں حضور پاک ﷺ اپنے جگر کا ٹکڑا کہا کرتے تھے) کا نکاح حضرت علی رضی اللہ عنہ سے فرمایا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ اب دائرہ کار علیحدہ علیحدہ ہے۔ اس لئے باہر کی ذمہ داریاں میرے سپرد اور گھر کی ساری ذمہ داریاں تمہارے سپرد۔ اب حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا (جنت کی عورتوں کی سردار خاتون) گھر کے تمام کاموں کو انجام دیا کرتی تھیں۔ چکی بھی پیسا کرتی تھیں، جس کی وجہ سے آپ کے ہاتھوں پر نشان بھی پڑ گئے تھے۔ بسا اوقات مہمان بھی آجایا کرتے تھے، ان کی مہمان نوازی کا اہتمام بھی کیا کرتی تھیں۔ تمام ذمہ داریاں اکیلے ہی نبھاتی تھیں لہٰذا بہت تھک جایا کرتی تھیں۔

ایک مرتبہ حضور ﷺ کی خدمت میں کچھ باندیاں آئیں۔ حضرت علی رضی اللہ عنہ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ جاؤ اور ایک باندی تم بھی لے لو تا کہ تمہارا بھی کچھ بوجھ ہلکا ہو جائے گا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا حضور ﷺ کے پاس تشریف لے گئیں۔ وہاں پہنچ کر پہلے تو بہت دیر تک خاموش بیٹھی رہیں کہ حضور ﷺ سے کہوں کیسے؟ جب

چونکہ ایک باندیاں رہ گئی تو حضور ﷺ سے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ایک باندی مجھے بھی دے دیں، میرے گھر کے کام کاج بہت ہیں۔ ان کی بات سن کر حضور ﷺ نے فرمایا:

”بیٹی بھی تجھ سے بھی زیادہ ضرورت مند باقی ہیں، یہ باندیاں تو انہیں ملیں گی۔“

تھکن کا علاج

ہاں تمہیں باندی کے بجائے ایک نسخہ بتا دیتا ہوں۔ جب تم گھر کے کام کاج کر کے تھک جاؤ تو ایسا کرنا کہ رات کو بستر پر بیٹھ کر ۳۳ بار ﴿سُبْحَانَ اللّٰہِ﴾ ۳۳ بار ﴿اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ﴾ اور ۳۴ بار ﴿اَللّٰہُ اَکْبَرُ﴾ پڑھ لینا اللہ پاک تمہاری ساری تھکاوٹ دور کر دے گا۔ (دیکھئے طب نبوی ﷺ اور جدید سائنس [illegible])

پیارے رسول ﷺ اپنی بیٹی کو یہ نسخہ دے رہے ہیں اور امت کی مسلمان ماں، بہن اور بیٹی کو بھی سبق دے رہے ہیں کہ عورت کے لئے گھر کا کام کاج کرنا یہ کوئی عیب کی بات نہیں ہے۔

غلط تربیت

آج کل تو بچیوں کی تربیت ہی غلط ہو رہی ہے۔ غیروں کی رسومات اور تہذیب کی نقالی میں بیٹیوں کے دلوں میں یہ بات ڈال دی گئی ہے کہ گھر قید خانہ ہے اور اسلام تنگ نظری پسند ہے لہٰذا گھر کے کام کاج کرنا ضروری نہیں ہے، ان کی عادات کو بگاڑ دیا گیا ہے۔ اس سے آج یہ تربیت ملتی ہے کہ جہاز میں بیٹھ کر غیروں کو تو چائے پلاؤ۔ اپنے میاں کو چائے نہ پلانا۔ غیروں کے سامنے ٹرے میں رکھ کر کھانا تو پیش کرو، اپنے میاں کے سامنے پیش نہ کرنا۔ اپنوں کو کھلاؤ گی تو قید ہے، غیروں کو کھلاؤ گی تو

آزادی ہے۔ تف ہے ایسی آزادی پر جس میں اپنے میاں کے لئے تیور اور شکل ہو اور غیروں کے لئے مسکراہٹوں کی برسات کرنے پر کوئی پابندی نہ ہو۔ اپنے میاں کے ساتھ بات چیت میں ایسی تلخی اور کڑوا انداز ہو گویا اس نے کوئی زہر کھایا ہوا ہے اور غیروں کے ساتھ بات کرنے کے انداز میں مٹھاس اور لذت ہو۔ یہ مغربی تہذیب کا اثر ہے جو اہل مغرب نے تعلیم کے ذریعے آج مسلمان ماں بیٹی کے دلوں کے اندر ڈال دیا ہے۔ اور یہ بات مسلمان عورت کے خون میں سرایت کر گئی ہے کہ گھر کو کام اس کے لئے عیب ہے جبکہ باہر کی ملازمت اس کے لئے فخر کی چیز بن گئی ہے۔ یہی فتنہ فساد ہے۔

مرد اور عورت کا دائرہ کار الگ ہے

رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو دونوں کا دائرہ کار بھی الگ الگ ہے۔ ہاں چند کام ایسے ہیں کہ عورت پردے میں رہ کر معاشرے کی ضروریات کو پورا کر سکتی ہے لیکن اس میں بھی دائرہ کار الگ ہونا چاہئے۔ اگر مرد اس کام کو الگ جگہ کریں اور عورتیں اس کام کو الگ ہو کر پردے کی جگہ میں کر لیں تو کیا حرج ہے؟

کیا مخلوط تعلیم دینا ضروری ہے؟

تعلیم دینی ہے لیں۔ کیا تعلیم کے لئے مخلوط ہونا ضروری ہے؟ آج دنیا کے مغرب (جو اس زمانہ میں بڑی موجد ہے) بھی مخلوط تعلیم کے نتائج دیکھ کر یہ بات کہنے پر مجبور ہو گئی ہے کہ مخلوط نظام تعلیم دنیا کو برباد کرنے والا نظام ہے۔ اس لئے کہ اس نظام کے اندر اگر کوئی لڑکا پڑھے گا تو وہ کتاب پر دیکھے گا تو سہی لیکن اس کے دماغ میں کوئی

اور کتاب ہو گی۔ بظاہر مطالعہ تو کتاب کا ہی کر رہا ہو گا لیکن حقیقت میں وہ اپنے دل کے اندر رکھی ہوئی کتاب کا مطالعہ کر رہا ہو گا۔ بظاہر تو والد کو دکھا رہا ہو گا کہ میں کتاب پڑھ رہا ہوں لیکن ادھر والد کی آنکھ بند ہو گی اور ادھر اس کا معاملہ کہیں اور استوار ہو جائے گا۔ یہ سب اس مخلوط نظام تعلیم کا زہر ہے جو آج ہمارے معاشرے میں سرایت کر چکا ہے۔ جس نے بچیوں کو برباد کر دیا ہے اور نوجوانوں کا شباب داغدار کر دیا ہے۔

اسلام کی ہدایات واضح ہیں

اللہ پاک نے ہمیں ایسا دین دیا ہے جس میں عورت اور مرد کی ذمہ داریوں اور فرائض کے بارے میں واضح ہدایات موجود ہیں کہ عورت نے بھی ایک حد تک کام کرنا ہے اور مرد نے بھی ایک حد تک کام کرنا ہے لیکن دائرہ کار دونوں کے الگ الگ ہیں۔ ان کے درمیان ایک دیوار حائل ہے جو پردے کی دیوار ہے، علیحدگی کی دیوار ہے، اس لئے کہ جہاں مخلوط نظام ہو گا وہاں ٹکرا جائیں گے، نہ تعلیم ہو گی، نہ ترقی ہو گی۔

میرے مطالعہ میں ایک واقعہ آیا جو بڑا سبق آموز اور عبرت آموز ہے۔ مغرب کے کم و بیش تمام ممالک میں یہ قانون ہے کہ بچیاں اٹھارہ سال کے بعد قانون کی مدد حاصل کر سکتے ہیں۔ اس عمر کے بعد اگر ان کے ماں باپ انہیں کچھ کہیں تو اس صورت میں قانوناً ماں باپ کو مجرم تصور کیا جاتا ہے اور بچوں کو بزعم مغرب تحفظ فراہم کیا جاتا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ بچی غلط لائن میں پڑ گئی جسے وہ عشق کہتی ہے (جو در حقیقت فسق ہے) ماں باپ نے چاہا کہ اسے اس ملک سے نکال کر بلجیم لے جائیں

ماحول بدل جائے گا تو سوچ بھی بدل جائے گی۔ جب لے کر جانے لگے تو موبائل تو ہاتھ میں تھا ہی اس نے چپکے سے پولیس کو فون کر دیا کہ میرے ماں باپ مجھے اغوا کر کے لے جا رہے ہیں۔ پولیس آئی اور ماں باپ کو پکڑ کر جیل بھیج دیا اور اس کو اس کے آشنا کے ساتھ بھیج دیا۔ اندازہ لگائیے کہ یہ سب اس غلط نظام کے ثمرات اور نتائج ہیں جس کی دعوت آج ہمیں مغرب دے رہا ہے۔ یہ چیز بہت عبرت ناک ہے۔ مغرب اپنی تہذیب کی نقالی اور اسے اختیار کرنے پر ہمیں اس لئے مجبور کر رہا ہے تا کہ ان کی طرح ہم بھی اجڑ جائیں۔ ان کی نسلوں اور معاشرے کی طرح ہماری نسلیں اور معاشرہ بھی برباد ہو جائے۔

کالجز اور یونیورسٹیز میں رینجرز کیوں ہے؟

آپ بتائیے کہ آج اسکول و کالجز اور یونیورسٹیز کے باہر رینجرز کیوں کھڑی ہوتی ہے؟ لڑکے اور لڑکیاں باہر نکلتے ہیں تو رینجرز ان کے ساتھ کھڑی ہوتی ہے۔ اگرچہ اس کے چرچے نہیں ہوتے مگر یہ ایک حقیقت ہے جس سے ہم سب بخوبی واقف ہیں۔ ہاں اگر کسی دینی مدرسے کے سامنے ایک گدھا بھی مر جائے تو شور برپا ہو جاتا ہے کہ جناب ایک گدھے کو مار دیا گیا ہے۔ اس کے برعکس کالجز اور یونیورسٹیز میں روزانہ جو ہنگامے اور قتل و غارت گری ہو رہی ہے اس کا پروپیگنڈہ کوئی نہیں کرتا۔ ہر جگہ رینجرز کیوں کھڑی ہے؟ اس لئے کہ سب کو معلوم ہے کہ بیٹیاں اغوا ہو رہی ہیں، بہنوں کی عزتیں لوٹی جا رہی ہیں۔ یہی تو اس مخلوط نظامِ تعلیم کا اثر ہے۔ اسی لئے اللہ پاک نے انسانی معاشرے کو اس گندگی سے بچانے کے لئے ہر ایک کا دائرہ

کا رنگ رکھتا ہے۔

زمانۂ جاہلیت میں تو یہ ہوتا تھا کہ عورتیں اپنا دوپٹہ پہنا کرتی تھیں اور اسے دونوں شانوں کے پیچھے کمر کی طرف ڈال دیا کرتی تھیں، جس سے سینہ کھل جایا کرتا تھا لیکن آج کی مخلوق اس سے بھی آگے بڑھ گئی ہے۔ اس نے دوپٹہ یا حجاب کی ضرورت ہی محسوس نہیں کی۔ زمانۂ جاہلیت کی عورتیں پھر بھی دوپٹہ تو سر پر رکھتی تھیں لیکن آج کی مخلوق نے ان سے زیادہ ترقی کر لی ہے۔ اسی فتنے سے بچنے کے لئے ایک تعلیم یہ دی گئی ہے کہ

﴿وَقَرْنَ فِیْ بُیُوْتِکُنَّ﴾ (سورۃ احزاب۔ ۳۳)

اور قرار پکڑو اپنے گھروں میں (اپنے گھروں میں رہو)

تیسری ہدایت

اس فتنے سے بچنے کے لئے شریعت نے ایک اور چیز کی تعلیم دی ہے اور وہ غیرت ہے۔ غیرت مومن کا سرمایہ ہے۔ مومن کے لئے ضروری ہے کہ اپنے گھر کے مستورات کی بے پردگی پر غیرت کرے۔ حضور ﷺ نے فرمایا ہے کہ

"ثَلاثَةٌ لا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّةَ اَلْعَاقُ لِوَالِدَیْهِ وَالدَّیُّوْثُ وَالرَّجِلَةُ"

([illegible])

تین آدمی جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ (۱) والدین کا نافرمان (۲) دیوث یعنی وہ شخص جسے اپنی ماں بیٹی کے اندر دین کی غیرت نہ ہو (۳) مرد کی شکل اختیار کر کے معاشرے میں بے حیائی پھیلانے والی عورت۔

یہ تینوں شخص اللہ پاک کی رحمت سے محروم ہوں گے اور جنت میں داخل

نہیں ہوں گے۔ اس لئے ہمیں چاہئے کہ اپنے گھروں کے معاملات کی بنیاد غیرت پر رکھیں۔ ایک موقع پر جب حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے آپ ﷺ سے کہا کہ

" لَوْ رَأَيْتُ رَجُلاً مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ " (صحیح مسلم ج ۱ ص ۴۹۱)

اگر میں کسی شخص کو اپنی بیوی کے ساتھ دیکھ لوں تو اس کا سر تلوار سے قلم کر دوں۔

تو آپ ﷺ نے صحابہ کو مخاطب کرتے ہوئے فرمایا:

" کیا تم سعد کی غیرت پر تعجب کر رہے ہو؟ اللہ کی قسم میں سعد سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ پاک مجھ سے زیادہ غیرت مند ہے۔ "

اللہ سب سے زیادہ غیرت والا ہے

اس کے بعد رسول کریم ﷺ نے فرمایا:

" إِنَّ اللّٰهَ يَغَارُ وَإِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغَارُ "

(صحیح مسلم باب غیرۃ اللہ تعالیٰ، الجامع الصغیر ج ۲ ص ۳۵۸)

اللہ غیرت مند ہے اور مومن بھی غیرت مند ہوا کرتا ہے لیکن انگریز کی لغت میں غیرت کا لفظ ہی نہیں ہے، ان کی لغت میں غیرت نام کا لفظ نہیں پایا جاتا۔

وہاں تو وہ سب سے اچھا ہوتا ہے جو جتنا زیادہ بے شرم اور بے حیا ہو۔ وہ میاں بیوی بہت اچھے ہوتے ہیں جو ایک دوسرے کے سامنے غلط کام کرتے ہیں اس لئے کہ اس کو شرم نہیں آتی اور اس کو غیرت نہیں آتی۔ ان کی معاشرت اور تہذیب اسی بنیاد پر کھڑی ہے جبکہ مومن کی تہذیب کا تعلق غیرت کے ساتھ ہے، اس لئے مومن غیرت مند ہوتا ہے۔

عورت کا فتنہ، خون کے اندر

میرے عزیزو! عورتوں کا فتنہ آج ہمارے اندر خون کی طرح سرایت کر رہا ہے اس کی فکر کرنی ہے، تب ہی ایمان بچے گا۔ اس لئے کہ نمازی، حاجی، تہجد گزار سب کے سب عورت کے فتنے میں سر سے لے کر پاؤں تک غرق ہیں۔ یاد رکھیں! آقا مدنی ﷺ نے فرمایا ہے:

" اَلْحَیَاءُ وَالْاِیْمَانُ قُرِنَا جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْآخَرُ "

[مکارم اخلاق، ترتیب اخلاق، ابن ماجہ ص ۱۸]

ایمان اور حیا دونوں ساتھ ساتھ رہتے (چلتے) ہیں۔ جہاں سے حیا اٹھ (ختم ہو) جاتی ہے وہاں سے ایمان بھی اٹھ (ختم ہو) جایا کرتا ہے۔

اس لئے اس کی فکر ہو کہ کس طریقے سے اپنے گھروں، محلوں، سوسائٹیوں، دفتروں اور فیکٹریوں میں ہم حیا والے ماحول کو کتنا قائم کر سکتے ہیں۔ ہم اس کے ذمہ دار ہیں۔ جتنا ہم کر سکتے ہیں اتنا تو کریں، اگر ہم نے اس میں کوئی کوتاہی کی تو بے حیائی اور فتنے کے فروغ میں ہم بھی برابر کے حصہ دار ہوں گے۔

حبِّ مال

مال اپنی ذات میں بری چیز نہیں ہے بلکہ ہر شخص کا طرزِ عمل اسے اچھا اور برا بنا دیتا ہے۔ اگر طرزِ عمل ٹھیک ہے تو مال اللہ کی نعمت ہے اور اگر طرزِ عمل ٹھیک نہیں ہے تو یہ مال باعثِ زحمت ہے۔ مال خیر بھی ہے، اگر انسان چاہے تو اس مال کو اپنے لئے نعمت بنا لے، مولیٰ کا فضل بنا لے، آخرت سنوارنے کا ذریعہ بنا لے، آخرت بننے کا وسیلہ بنالے اور چاہے تو اس مال کو فتنہ کا ذریعہ بنالے۔ اب یہ انسان کا طرزِ عمل ہے کہ وہ کیا طرزِ عمل اختیار کرتا ہے۔

حبِ مال

نفسانی خواہشات کے فتنوں میں سے چوتھا بڑا فتنہ مال کا فتنہ ہے۔ مال اللہ کی طرف سے عطا کردہ ایک نعمت بھی ہے، مال اللہ تعالیٰ کا فضل بھی ہے مال کو قرآن نے دنیا سے بھی تعبیر کیا ہے۔

﴿ربنا آتنا في الدنيا حسنة﴾ (سورۃ البقرۃ ۲۰۱)

اے ہمارے رب ہمیں دنیا میں خوبی (بھلائی) عطا فرما۔

مال صحیح انداز میں حاصل اور خرچ کیا جائے تو حسنہ بھی بن سکتا ہے۔

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿وابتغوا من فضل الله﴾ (سورۃ الجمعۃ ۱۰)

اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

تو مال ایک لحاظ سے فضل بھی بن سکتا ہے، ایک اور مقام پر اللہ کا فرمان ہے:

﴿وإنه لحب الخير لشديد﴾ (سورۃ العادیات ۸)

اور آدمی مال کی محبت میں بہت پکا ہے۔

یہ مال کی محبت میں بڑے سخت ہیں۔ مال خیر بھی ہے اور شر بھی ہے اب آپ چاہیں تو اس مال کو اپنے لئے نعمت بنائیں، مولیٰ کا فضل بنائیں، آخرت سنوارنے کا ذریعہ بنائیں یا آخرت بنانے کا وسیلہ بنائیں اور چاہیں تو اس مال کو فتنے کا ذریعہ بنا

پس اب یہ آپ کی طبیعت پر منحصر ہے کہ آپ کیا طرزِ عمل اختیار کرتے ہیں، جیسا طرزِ عمل اختیار کریں گے، مال ویسی ہی صورت اختیار کرے گا، لہٰذا طرزِ عمل کی بنیاد پر مال سانپ بھی بن سکتا ہے اور نجات دہندہ بھی بن سکتا ہے۔

حضرت احمد بن عامر رحمہ اللہ کا واقعہ

حضرت احمد بن عامر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ہم زمانہ طالب علمی میں اپنے استاد کے ساتھ ایک میت کو دفن کرنے قبرستان جارہے تھے۔ راستے میں ایک جگہ دیکھا کہ بہت سارے کتے آپس میں پیار و محبت سے کھیل رہے ہیں، اچھل کود رہے ہیں، ایک دوسرے سے چمٹ رہے ہیں، ہمارے استاد نے کتوں کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ انہیں دیکھو کیسے اچھے اخلاق سے آپس میں رہ رہے ہیں، خوش و خرم، پیار و محبت کے ساتھ۔ حضرت فرماتے ہیں کہ جب ہم واپس آرہے تھے تو دیکھا کہ وہاں کسی نے مردار پھینک دیا تھا اور اب وہی کتے اس مردار کو کھانے کے لئے اتنے حریص بن گئے تھے کہ ایک دوسرے سے لڑ رہے تھے، ایک دوسرے کو کاٹ رہے تھے، ایک دوسرے پر بھونک رہے تھے۔ ہمارے استاد نے پھر اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ دیکھو جب تک ان کے پاس مردار (دنیا) نہیں تھی، اس وقت تک محبت سے رہ رہے تھے اور جب مردار (دنیا) بیچ میں آگئی تو حرص نے ان کو ایک دوسرے کا دشمن بنا دیا۔ جب مردار (دنیا) کی محبت پیدا ہو جائے گی تو بھائی بھائی آپس میں دست و گریباں ہو جائیں گے، بہن بھائی میں لڑائی ہو جائے گی، پھر ہر شخص کے دل میں زمینوں، جاگیروں، اموال اور وراثت کے معاملے میں نفرتیں پروان چڑھیں گی،

آپس کی محبت اور اتفاق ختم ہو جائے گا اور پھر مال فتنہ بن جائے گا۔

دنیا کی محبت فساد کی جڑ

اس دنیا (مردار) کی محبت دل میں نہ ہو، حرص نہ ہو تو بھائی بہن بھی اکٹھے، رشتہ دار بھی اکٹھے اور خاندان بھی اکٹھے رہتے ہیں۔

مگر جب دنیا اور مال کی محبت دل میں آ جاتی ہے تو آپس کی محبت، رشتہ داری اور تعلقات سب ختم ہو جاتے ہیں۔ بظاہر تو اوپر سے بڑی محبت ہوتی ہے مگر اندر نفرتیں بھری ہوتی ہیں۔ عدالتوں میں جائیں تو پتہ چلتا ہے کہ بھائی آپس میں لڑ رہے ہیں، زمین پر کیس ہو رہا ہے، بہن نے بھائی پر کیس کیا ہوا ہے کہ وراثت میں بھائی نے میرا حصہ نہیں دیا۔ بھائی بہت بڑا تاجر ہے، اس نے گھر بڑا بنا لیا ہے، پیسے اکٹھے کر لئے ہیں، سب کچھ کر لیا ہے لیکن میرا حق، میرا مال دبا کے بیٹھا ہوا ہے۔ تو یہ مال کی حرص اور محبت جب آتی ہے تو پھر نفرتیں آتی ہیں، پھر اختلاف پیدا ہوتے ہیں، پھر قتل وغارت گری ہوتی ہے، پھر سارے برے کام ہوتے ہیں۔ لوگ اغوا کیے جاتے ہیں، دوسروں کی جان سے کھیلا جاتا ہے، اپنی جان کی بھی فکر نہیں رہتی۔ یہ سب کچھ مال کی محبت کی وجہ سے ہوتا ہے۔

اوپر پیش کردہ مثال میں بھی دیکھیے کہ جب تک ان کتوں کے درمیان مردار چیز نہیں تھی جب تک وہ آپس میں محبت سے رہ رہے تھے اور جب مردار چیز درمیان میں آ گئی تو ایک دوسرے پر بھونکنے لگ گئے، ایک دوسرے سے لڑنے لگ گئے، نفرتیں پیدا ہو گئیں۔ استاذ محترم نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: بیٹے! دنیا کی محبت اور حرص کو

دل میں جگہ نہ دیں، اگر یہ آ گئی تو پھر کوئی ساتھ نہیں رہے گا۔ دنیا کی حرص ایسی بلا ہے۔ جس کے دل میں پیدا ہو جائے تو وہ اپنی حرص کو پورا کرنے کے لئے سب تعلقات چھوڑنے کے لئے تیار ہو جاتا ہے۔ اس لئے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

"وَاللّٰہِ لَا الْفَقْرَ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ وَلٰکِنْ اَخْشٰی عَلَیْکُمْ اَنْ تُبْسَطَ عَلَیْکُمُ الدُّنْیَا کَمَا بُسِطَتْ عَلٰی مَنْ کَانَ قَبْلَکُمْ فَتَنَافَسُوْھَا کَمَا تَنَافَسُوْھَا فَتُھْلِکَکُمْ کَمَا اَھْلَکَتْھُمْ"

(بخاری، باب ما یحذر من زہرۃ الدنیا، ج ۲، ص ۹۵۲)

اللہ کی قسم! مجھے تمہارے بارے میں یہ اندیشہ نہیں ہے کہ تم فقیر بن جاؤ گے (تم پر فقر آ جائے گا) لیکن یہ اندیشہ ہے کہ تم پر دنیا کی وسعت ہو جائے گی۔ جیسے تم سے پہلے کی اقوام پر دنیا کی خوشحالی بڑھ گئی تھی (دولت بڑھ گئی تھی، دنیا کے وسائل بڑھ گئے تھے) تو پھر تم دولت کی حرص میں ایک دوسرے سے سبقت کرو گے جیسے انہوں نے سبقت کی تھی۔ (اور جب ایسا کرو گے) تو یہ دنیا تمہیں بھی ہلاک کر دے گی جیسے تم سے پہلے والوں کو ہلاک کیا تھا۔

ماضی کی تصویر تحویل

تیس چالیس سال پہلے کی حالت کا تصور کریں اور سوچیں کہ کیا مسلمانوں کے پاس اتنی دولت تھی؟ کیا ہمارے گھروں میں اتنا مال و دولت تھا؟ نہیں، لیکن آپ یہ دیکھئے کہ ۲۰ سال پہلے خاندان کیسے جڑے ہوئے تھے۔ بھائی بھائی کے لئے کس طرح جان دیا کرتا تھا۔ ان بھائیوں میں کیسی سچی محبت تھی، آپس میں کیسی الفت تھی، کیسا ایک دوسرے سے پیار تھا۔ پورے کے پورے خاندان ایک کنبے کی مانند ہوا کرتے تھے، ایک گھرانے کی مانند ہوا کرتے تھے، ایک بستی کا آدمی دوسری بستی میں

رہنے والے آدمی کو بھی جو پتا تھا۔ تو نبی کی بات تو عجیب ہے نا کہ میرے نبی تو نباضِ
ہیں، امت کے سب سے بڑے طبیب ہیں۔ انہوں نے فرمایا: ''اس دنیا کی محبت
جب بھی دلوں میں آئے گی تو فتنہ بن کر آئے گی اور حرص کو ساتھ لے کر آئے گی۔'' اس
لئے آج دولت تو بہت ہے لیکن آپس میں وہ محبت، خلوص، ایثار اور پیار ختم ہو چکا ہے۔

حرص کی نحوست

جب انسان کے دل میں دنیا کی حرص آجاتی ہے تو اس حرص کی بنا پر وہ یہ سوچتا ہے کہ میرا پیٹ بھر جائے، میرے گھر میں دولت آجائے، میرا اسٹیٹس بہتر ہو جائے، میری اولاد کی تعلیم اچھی ہو جائے، اور اس کی ان کوششوں کی وجہ سے کسی دوسرے کی زندگی خراب ہوتی ہے تو ہو جائے تو ہو جائے، دوسروں کا گھر برباد ہوتا ہے تو ہو جائے، چاہے بھائی کا گھر ہی کیوں نہ ہو، چاہے بہن کا گھر ہی کیوں نہ ہو۔ بس میرا پیٹ بھرنا چاہئے، میری زندگی بنی چاہئے۔

ایسی فضا اور ماحول میں، ماتحت اپنے مالکوں کے دشمن بنیں گے، مالک اپنے ماتحتوں کے دشمن بنیں گے، مالک کہے گا کہ میرا پیٹ بھرے، ماتحت کہے گا کہ میرا پیٹ بھرے، پھر اسی بنیاد پر دشمنیاں پیدا ہوں گی، نفرتیں پھیلیں گی، مزدور مالک سے جھگڑا کرے گا، مالک مزدور سے جھگڑا کرے گا، بھائی بھائی سے جھگڑا کرے گا، ہر طرف بے اتفاقی اور نفرت پھیل جائے گی، یوں رسول اکرم ﷺ کے فرمان کے مطابق معاشرہ کے اندر مال کی حرص فتنہ بن کر داخل ہو جائے گی۔

ایک موقع پر رسول کریم ﷺ نے فرمایا: اگر بکریوں کے کسی ریوڑ میں دو

بھیڑیے چھوڑ دیے جائیں تو وہ دو بھیڑیے بکریوں کے اس ریوڑ کا اتنا نقصان نہیں کریں گے جتنا انسانوں کے معاشرے میں مال وجاہ کی محبت نقصان کرے گی۔ یہ دونوں چیزیں انسانی معاشرے کو تباہ کر دیتی ہیں۔ اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا کہ

" لِكُلِّ اُمَّةٍ فِتْنَةٌ وَفِتْنَةُ اُمَّتِي الْمَالُ " (ترمذی، کتاب الزہد)

ہر امت کے لئے (کوئی نہ کوئی خاص) فتنہ ہوتا ہے (جس میں وہ مبتلا ہوتی ہے) اور میری امت کا فتنہ مال ہے۔

رسول کریم ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ

"دو چیزوں سے لوگ نفرت کرتے ہیں، ایک موت سے حالانکہ موت ان کے لئے بہت بہتر ہے۔ اس کی وجہ سے وہ مستقبل میں آنے والے بہت سارے فتنوں سے بچ جائیں گے اور دوسرا مال کی کمی سے کہ ہمارا مال اور دولت بھی کم نہ ہو، بس بڑھتا ہی جائے۔"

جب کہ اسی بارے میں ایک اور جگہ ارشاد نبوی ہے کہ

" قِلَّةُ الْمَالِ اَقَلُّ لِلْحِسَابِ " (مسند احمد)

مال کی کمی (قیامت کے دن) حساب کی کمی کا باعث ہے۔

لیکن یہ بات ہمیں کہاں سمجھ میں آتی ہے۔ یہ بات تو انہیں سمجھ میں آتی ہے جنہیں مرنے کا سو فیصد یقین ہوتا ہے۔ ہم تو کہتے ہیں کہ یہاں سیٹ ہو جائیں وہاں کی بعد میں دیکھی جائے گی، یہاں کی خواہشات پوری ہونی چاہئیں۔

تو میرے عزیزو! مال کو فضل بھی بنا سکتے ہیں، اپنے حق میں نعمت بھی بنا سکتے ہیں، حسنہ بھی بنا سکتے ہیں، خیر بھی بنا سکتے ہیں اور فتنہ بھی بنا سکتے ہیں۔

مال کے فتنہ سے بچاؤ کے لئے کچھ چیزیں ہیں، اگر ہم اپنے مال کو ان

چیزوں سے محفوظ رکھیں گے تو ان شاء اللہ ہمارا مال ہمارے لئے فتنہ نہیں بنے گا۔

حب مال سے بچاؤ کے لئے پہلی چیز

✤ حب مال کے فتنے سے بچاؤ کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ انسان مال و دولت کمانے میں ایسا مشغول نہ ہو جائے کہ اللہ کی یاد سے ہی غافل ہو جائے، اللہ کو ہی بھول جائے، اسے اللہ یاد ہی نہ رہے۔ اگر اس سے کہا جائے کہ بھائی نماز پڑھو تو وہ کہتا ہے کہ یار ٹائم نہیں ہے۔ ارے تم پیدا کس لئے ہوئے ہو؟ کمانے کے لئے؟ کہتا ہے میں پاک نہیں ہوں، اس لئے نماز پڑھنے سے معذور ہوں۔ ارے اگر اس ناپاکی کی حالت میں تیری موت آگئی تو تیرا کیا ہوگا؟ فرشتے تیرے قریب بھی نہیں آئیں گے، ہاں شیاطین ضرور آجائیں گے۔ کلمہ بھی نصیب نہیں ہوگا۔ آج مال کے اندر ایسا مشغول ہے کہ اللہ کی یاد کے لئے اس کے پاس فرصت نہیں ہے، دینی فرائض ادا کرنے کے لئے فرصت نہیں ہے، تلاوت قرآن سیکھنے کے لئے فرصت نہیں ہے، اللہ کو یاد کرنے کی فرصت نہیں ہے۔ اس کی نحوست سے بھی یہ مال فتنہ بنتا ہے۔

دوسری چیز

✤ دوسری چیز یہ ہے کہ بندے کے مال میں اللہ تعالیٰ کا جو حق ہے، وہ ادا کیا جائے۔ مال میں مخلوق کا بھی حق ہے، خالق کا بھی حق ہے، جب اس کی ادائیگی میں کوتاہی اور سستی ہوگی تو یہ مال وبال بنے گا، فتنہ بنے گا، نعمت نہیں بنے گا۔

تیسری چیز

✤ تیسری چیز یہ ہے کہ جب تمہیں مال مل رہا ہو تو قارون کی زبان نہ بولنا

کرو کہ یہ تو میرا اپنا کمال ہے، میری اپنی محنت ہے۔ قارون کے پاس جب خوب دولت جمع ہوگئی تو کہنے لگا کہ

﴿ اِنَّمَا أُوتِيتُهُ عَلَى عِلْمٍ عِنْدِي ﴾ (سورۃ القصص، آیت ۷۸)

یہ مال تو مجھے اپنے ایک ہنر (کے ذریعے) سے ملا ہے جو میرے پاس ہے۔

یہ قارون کی زبان ہے کہنے لگا کہ مجھے مال ملا ہے اس لئے کہ میری اپنی ڈگریاں بہت ہیں، علم بہت ہے میرے پاس، میں نے بڑی محنت کی ہے، بہت پڑھا ہے جس کی وجہ سے میں نے یہ مال کمایا ہے۔

اگر قارون کی طرح یوں کہیں گے تو اللہ کی اس نعمت کی ناقدری ہوگی اور یہ مال وبال بن جائے گا۔ یوں کہیں کہ یہ میرے مولیٰ کا فضل ہے میں تو اس لائق نہیں تھا مگر اللہ نے یہ نعمت مجھے دے دی ہے۔

رزق کے جتنے بھی ذرائع اللہ تعالیٰ نے آپ کے لئے مقرر کر رکھے ہیں، کاروبار کے جتنے طریقے آپ کے لئے بنا رکھے ہیں، ان سب پر آپ کا دل یہ کہے کہ یہ خاص میرے اللہ کا فضل ہے۔ اگر وہ نہ چاہتا تو میں بھی سڑکوں پر جوتیاں چٹخاتا پھرتا اور بھکاری بن کر لوگوں کے سامنے ہاتھ پھیلاتا۔ مجھ میں کوئی سرخاب کے پر نہیں لگے ہوئے ہیں اور بھی بہت سے لوگ عقل والے ہیں، ہاتھ پاؤں والے ہیں، زبان والے ہیں لیکن بھیک مانگ رہے ہیں۔ مجھے اللہ رب العزت نے جو اس ندامت سے، اس شرمندگی سے بچایا ہے اور گھر بیٹھے عزت کا کھانا، عزت کا لباس اور عزت کا کاروبار عطا فرمایا ہے۔ میری ماں، بہن، بیٹیاں عزت سے کھا پی رہی ہیں یہ خاص اللہ کا فضل ہے۔ یہ بات دل کہے اور زبان نہیں۔ اور جب دل کہے گا تو ان شاء اللہ جسم

کو رب کے سامنے جھکنے کی توفیق بھی ہو جائے گی۔

اپنی قابلیت پر غرور نہ کیجئے

تو خلاصہ یہ ہے کہ قارون کی زبان اختیار نہ کی جائے۔ایسا نہ ہو کہ اپنی صلاحیتوں، ڈگریوں، ہنر، فن، قابلیت، تجربے اور محنت پر تو ناز ہو لیکن ان سب چیزوں کو عطا کرنے والی ذات کو ہی بھلا دیا جائے۔ کتنے ہیں جو بہت ذہین، فطین، سمجھدار اور زبردست ڈگریاں رکھنے والے کنگلے ہیں اور کتنے ایسے ہیں جو انگوٹھا چھاپ ہیں، جنہیں قلم سے لکھنا بھی نہیں آتا لیکن ان کے پاس بہت دولت ہے،تو یہ اللہ تعالیٰ کا فضل ہے۔اس لئے جو کچھ اللہ دے رہا ہے، کھلا رہا ہے، پلا رہا ہے، رہائش دے رکھی ہے،کاروبار اور روزگار کے مواقع فراہم کر رکھے ہیں،ان سب پر دل سے کہے کہ اے اللہ یہ سب تیرا فضل ہے تیرا احسان ہے تیرا کرم ہے مجھ پر۔اللہ کے اس انعام کا انکار نہ کریں ورنہ یہ مال وبال بن جائے گا۔

چوتھی چیز

چوتھی چیز یہ کہ مال اس وقت وبال بنتا ہے کہ جب بندہ قیمتی اوقات کو بھی اس مال ہی کے اندر لگاتا ہے (یعنی مال کمانے کے اندر) یہ تو ٹھیک ہے کہ کچھ وقت مال کمائے،کاروبار کرے۔ ۸ گھنٹے، ۱۲ گھنٹے ٹھیک ہے لیکن اللہ کے بندو! کچھ وقت گھر کو بھی دو، کچھ وقت اللہ کے دین کو بھی دو، اللہ کی عبادت کے لئے بھی دو، یہ نہیں کہ ۱۲ گھنٹے وہاں لگا کر آئے اور باقی ۱۲ گھنٹے گھر کے اندر بھی اسی میں لگے ہوئے ہیں۔ نہ بچوں کے حق کا خیال، نہ بیوی کے حق کا خیال، نہ اپنے جسم کے حق کا خیال نہ خدا کے

حق کا خیال اور نہ ہی عبادت کا خیال، تو اس صورت میں یہی مال وبال بن جاتا ہے، فتنہ بن جاتا ہے۔ ہر چیز کی تقسیم ہونی چاہیے، ایک منظم اور مرتب انداز میں کام ہونا چاہیے۔ ایک دو گھنٹے ہو تو ٹھیک ہے۔ محنت بھی کرے کہ محنت کرنے کا حکم ہے، کوشش کرنے کا بھی حکم ہے لیکن ہر وقت اسے اپنے سر پر سوار کر کے نہ رکھے۔

پانچویں چیز

❁ پانچویں چیز یہ ہے کہ دل کے اندر قناعت اختیار کرے۔ قناعت کا مطلب یہ ہے کہ لاکھوں ہوں تو ان کو بھی کافی سمجھے، کروڑ ہوں تو ان کو بھی کافی سمجھے۔ اللہ پاک نے جتنا رزق عزت کے ساتھ حلال ذریعے سے دے دیا ہے اسے ہی کافی سمجھے اور دل و جان سے اس پر راضی ہو جائے۔ اگر یہ کریں گے تو تب یہ مال وبال نہیں بنے گا، فتنہ نہیں بنے گا بلکہ نعمت بنے گا۔

چھٹی چیز

❁ چھٹی چیز یہ ہے کہ مال کماتے ہوئے اپنی نیت ٹھیک کرے کہ مال اس لئے کما رہا ہوں کہ اللہ اور اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کر سکوں۔ بیوی بچوں کے میرے اوپر جو حقوق ہیں، میری ذات کے مجھ پر جو حقوق ہیں، اللہ پاک کے جو حقوق ہیں، ان حقوق کی ادائیگی کے لئے مال کما رہا ہوں۔ صحیح نیت سے کمائے کہ اللہ کے دین پر خرچ کروں گا۔ صحیح نیت کریں گے تو پھر یہ مال نعمت بن جائے گا، فضل بن جائے گا، عبادت بن جائے گا۔ اور اگر یہ مال ریاکاری، شہرت، واہ واہ اور دکھلاوے کے لئے کمایا ہو تو پھر چاہے حلال راستے سے ہی کیوں نہ کمایا ہو تب بھی یہ مال فتنہ بنے گا اس لئے کہ

نیت غلط ہے۔ لہٰذا نیت کا ٹھیک اور درست ہونا از حد ضروری ہے کہ کیوں کما رہا ہوں؟
اس لئے کہ اللہ تعالیٰ راضی ہو جائیں، مخلوقِ خدا کے حقوق ادا ہو جائیں، دین کی
خدمت میں میرا بھی کچھ حصہ شامل ہو جائے اور میری ضروریات بھی جائز طریقے سے
پوری ہو جائیں۔

مال کے فتنے

میرے عزیزو! اگر اس طریقے سے اہتمام ہوگا تو ان شاء اللہ مال کے فتنے
سے حفاظت ہوگی۔ خلاصہ یہ ہوا کہ مال و دولت حلال طریقے سے کمائے، حلال جگہ پر
خرچ کرے، اللہ اور اللہ کی مخلوق کے حقوق ادا کرے، اوقاتِ عبادت الگ کرے،
نیت ٹھیک کرے تو پھر یہ مال نعمت بنے گا، اللہ کا فضل بنے گا، آخرت سنوارنے کا
ذریعہ بنے گا (ان شاء اللہ)، اس لئے کہ مال اپنی ذات میں بری چیز نہیں ہے بلکہ ہر
شخص کا طرزِ عمل اور استعمال اسے اچھا یا برا بنا دیتا ہے۔ اگر طرزِ عمل اور استعمال ٹھیک
ہو تو مال اللہ کی نعمت ہے اور اگر طرزِ عمل اور استعمال ٹھیک نہیں ہے تو یہ مال باعثِ
زحمت ہے۔

✿✿✿✿✿

بدعت

دین کے اندر کوئی نیا طریقہ، نیا ضابطہ، نیا نظریہ، نیا عقیدہ اختیار کر لینا اور اسے دین کا حصہ سمجھنا، یہ فتنہ ایجاد اور فتنہ بدعت کہلاتا ہے۔ جہاں عقل پرستی، نفس پرستی، خواہش پرستی اور خود پرستی ہوتی ہے وہاں دین کے اندر طرح طرح کی نئی نئی ایجادات ہوتی ہیں۔ جب اسلاف پر اعتماد نہیں رہتا، اپنے بڑوں کی تحقیق پر اعتماد نہیں رہتا تو دین میں نت نئی چیزیں داخل ہونا شروع ہو جاتی ہیں۔

فتنۃ الشبہات

فتنہ کی دو بڑی اقسام میں سے پہلی قسم (فتنۃ الشہوات) کی ہے۔ اس کے تحت جتنے فتنے داخل ہیں ان کا تذکرہ ہو چکا ہے۔

اب فتنہ کی دوسری بڑی قسم (فتنۃ الشبہات) کا بیان ہے۔ اس کے تحت بھی بہت سارے فتنے داخل ہیں۔ ان میں سے ایک بڑا فتنہ بدعت کا فتنہ ہے جسے فتنہ ایجاد بھی کہہ سکتے ہیں۔ دین کے اندر کوئی نیا طریقہ، نیا ضابطہ، نیا نظریہ، نیا عقیدہ اختیار کر لینا اور اسے دین کا حصہ کہنا، یہ فتنہ ایجاد اور فتنہ بدعت کہلاتا ہے۔

فتنوں کی سرعت

مسلمانوں کے ماضی میں صورتحال کچھ اس طرح رہی تھی کہ فتنوں کو مسلمانوں تک پہنچتے پہنچتے ہزاروں سال لگ جاتے تھے، پھر ایک وقت ایسا آیا کہ مسلمانوں کے معاشرے میں جو فتنے آتے وہ صدیوں میں آیا کرتے، اس کے بعد ایک وقت ایسا آیا کہ مسلمانوں کی زندگی میں فتنے مہینوں میں آ جایا کرتے تھے۔

میرے عزیزو! اب تو یہ حال ہے کہ فتنے روزانہ آ رہے ہیں۔ صبح ایک فتنہ لے کر آتی ہے اور شام ایک نیا فتنہ لے کر آ جاتی ہے۔ فتنوں کی ایک نہ رکنے والی برسات ہے، پہلے جو فتنے سالوں بعد پہنچتے تھے اب وہ منٹوں میں پہنچتے ہیں۔ یہ تمام

عمل نئی ایجادات اور ٹیکنالوجی کا مرہونِ منت ہے۔ یہ ساری ایجادات شیطان صفت
لوگوں کے پاس ہیں جو نفس پرست، خواہش پرست، شہوت پرست اور عقل پرست
ہیں۔ چونکہ ان کے پاس یہ سارے ذرائع ابلاغ ہیں اور انہیں کا ان پر قبضہ ہے اس
لئے فتنوں کا معاملہ بھی بہت تیز ہو گیا ہے اور ہر گھر تک ان فتنوں کی رسائی ہو رہی
ہے۔ مسجد میں لوگ ہفتے بعد، مہینے بعد آتے ہیں اور گھر میں فتنوں کو روزانہ سنتے ہیں۔

خصوصاً اس دور میں جس کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا کہ ایک
وقت آئے گا کہ علم اٹھ جائے گا اور علم کا اٹھنا ایسے نہیں ہوگا کہ لوگوں کے سینوں سے علم
سلب کر لیا جائے گا بلکہ علماء ربانیین اٹھا لئے جائیں گے، جب علم والے اٹھا لئے
جائیں گے تو علم بھی ختم ہو جائے گا، پھر لوگ جاہلوں کو اپنا مقتدی اور پیشوا بنائیں گے،
وہ خود بھی گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔

(صحیح مسلم، کتاب العلم، باب رفع العلم وقبضہ، ج ۲، ص ۳۴۰)

قحط الرجال کا دور

پہلی بات تو یہ ہے کہ یہ دور ویسے ہی قحط الرجال کا ہے، علماء ربانیین بہت کم
ملتے ہیں، اور اگر کہیں مل بھی جاتے ہیں تو ہم اپنی بدقسمتی کے باعث ان کی قدر
نہیں کرتے، یہاں تک کہ ظالم انہیں اپنا نشانہ بنا لیتے ہیں اور وہ اس فانی دنیا سے
رخصت ہو جاتے ہیں۔ ابھی ہمارے ایک بزرگ مولانا حسن جان صاحب کو شہید کر دیا
گیا۔ وہ ایک فرشتہ صفت انسان تھے، ستر سال کے قریب ان کی عمر تھی، تقریباً اٹھارہ
ہزار حدیثوں کے حافظ تھے، صرف پاکستان کے ہی نہیں بلکہ پوری دنیا کے چند گنے
چنے علماء میں سے تھے۔ ستر سال تک نبی کی حدیث پڑھاتے رہے۔ مسلمانوں پر

رحمت اور شفقت کرنے میں زندگی کھپاتے رہے۔ اس ملک کے سچے خیرخواہ اور سچی حمایت کرنے والے تھے۔ نہ ان کی کسی سے ذاتی دشمنی تھی۔ نہ کسی باطل فرقے سے تعلق تھا۔ صرف ایک بات تھی کہ وہ غیور قسم کے مولوی تھے، وہ بکتے نہیں تھے، نہ ان کا فتوی بکتا تھا، نہ ان کی زبان بکتی تھی، انہیں کوئی خرید نہیں سکتا تھا، دین کی سچی بات کرتے تھے، لوگوں کو ان پر اعتماد تھا، ہزاروں علماء ان کے شاگرد تھے، لاکھوں لوگ ان کی بات پر اعتماد کرتے تھے۔ دشمنوں کو ان کی یہی بات کھٹکتی تھی۔ اسی لئے ان پر قاتلانہ حملہ کرکے انہیں شہید کردیا گیا۔

میرے عزیزو! درحقیقت یہ ہماری بداعمالیاں ہی ہیں جن کے نتیجے میں ایسے بڑے بڑے علماء کرام کو سرعام گولیوں کا نشانہ بنا کر سڑک پر تڑپنے کے لئے چھوڑ دیا جاتا ہے، ظالم لوگ سب کے سامنے فرار ہوجاتے ہیں اور کوئی انہیں پکڑنے کی ہمت وجرأت بھی نہیں کرتا۔

علماء کا وجود، فتنوں کا توڑ

دشمن جانتے ہیں کہ جب تک مولوی موجود ہیں تب تک یہ ہمارے فتنوں کا سدباب کرتے رہیں گے۔ ہم میڈیا کے ذریعے لاکھ فتنے برپا کردیں لیکن جیسے ہی لوگ ان مولویوں کی مجلس میں بیٹھتے ہیں تو ان کے ذہن صاف ہوجاتے ہیں۔ اس لئے ایسا کرنا چاہئے کہ چن چن کر انہیں ختم کردیا جائے۔ حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانوی رحمۃ اللہ علیہ، مفتی نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ وغیرہ کی شہادت یہ سب اسی کڑی کا حصہ ہیں کہ علماء کرام کے طبقے کو (جو حقیقی طور پر عوام کا سچا خیرخواہ، اسلام کا سچا وفادار اور ملک کا

سچا ہمدرد ہے جس کی زندگی کا یہ نظریہ مسلمانوں کا دین و ایمان بچانا ہے) ختم کر دیا جائے۔

یہ بات حقیقت ہے کہ ایسے علماء جب دنیا سے چلے جاتے ہیں تو فتنوں کے دروازے کھل جاتے ہیں۔ قوموں کی پستی کی رفتار اور تیز ہو جاتی ہے۔ ذلت و رسوائی جو پہلے سالوں میں آتی تھی، اب وہ مہینوں، دنوں میں آ جاتی ہے۔

یہ فتنوں کا دور ہے

اس دور میں تو فتنوں کی بھرمار ہے۔ ہر روز ایک نیا فتنہ، ایک نئی سوچ سامنے آ رہی ہے۔ مسلمان نت نئے افکار کا شکار ہو رہے ہیں اور عجیب عجیب باتیں کر رہے ہیں۔ دین کے بارے میں، اسلام کے بارے میں، ایمان کے بارے میں اور اللہ کے احکامات کے بارے میں عجیب قسم کی باتیں ہو رہی ہیں، اس لئے کہ مسلمان جن سے سن کر یہ باتیں اخذ کر رہے ہیں وہ در حقیقت دنیائے کفر کی کاشت کی ہوئی ایک نئی کھیتی کا نتیجہ ہیں، جنہیں ذرائع ابلاغ کے ذریعے ہر ایک کے ذہن پر مسلط کیا جا رہا ہے۔

سادہ لوح مسلمانوں کی غلط فہمی

ہمارے بعض ساتھی تو بہت ہی سادہ اور بھولے ہیں۔ کہتے ہیں کہ چلو اچھا ہوا، اب تو علم بہت عام ہو گیا ہے اور ان مولویوں کی اجارہ داری ختم ہو گئی ہے۔ یہ بات کہنا بالکل ایسا ہی ہے کہ جس طرح بہت سارے عطائی حکیم اور جعلی ڈاکٹر گلی، کوچے کوچے میں ڈاکٹر بن کر بیٹھ جائیں اور وہاں اپنے مطب اور کلینکس کھول لیں اور لوگ یہ کہنے لگیں کہ چلو جی بہت اچھا ہوا کہ عطائی ڈاکٹر آ گئے اور اصل ڈاکٹروں کی

اجارہ داری ختم ہو گئی۔ اب اس سے ہو گا کیا؟ یہی ہو گا کہ قبرستانوں کے بھرنے کی رفتار اور تیز ہو جائے گی۔

دین پر کسی کی اجارہ داری نہیں

میرے عزیز و! دین پر کسی کی اجارہ داری نہیں ہے۔ اصل میں اللہ تعالیٰ نے کچھ لوگوں کو دین کی چوکیداری اور حفاظت کے لئے منتخب کیا ہے اور ان کی ڈیوٹی لگائی ہے کہ وہ دین کی حفاظت کریں۔ قرآن کریم میں ارشاد باری ہے:

﴿وَالرَّبَّانِيُّونَ وَالْأَحْبَارُ بِمَا اسْتُحْفِظُوا مِنْ كِتَابِ اللَّهِ﴾

(سورۃ المائدۃ: ۴۴)

اور درویش اور عالم حکم کرتے تھے اس لئے کہ وہ اللہ کی کتاب پر نگہبان ٹھہرائے گئے تھے۔

مراد یہ ہے کہ علماء کو اللہ نے اپنے دین کی حفاظت کی ذمے داری دی ہے، اللہ تعالیٰ نے انہیں اس مقصد کے لئے منتخب کر لیا ہے۔

علماء دین کے محافظ ہیں

علماء ربانیین درحقیقت دین کے چوکیدار ہوتے ہیں، دین کا ڈاکو ایک طرف سے آئے تو اس کی سرکوبی کرتے ہیں، کوئی اور ڈاکو دوسری جانب سے آئے تو اس کی سرکوبی کرتے ہیں۔ کوئی بے دین اگر دین کا مذاق اڑائے تو اس کی سرکوبی کرتے ہیں، کوئی عقل پرست کھڑا ہو جائے اور دین کے اندر نئے فلسفے پیدا کرنے لگ جائے تو اس کا بھی توڑ کرتے ہیں۔

یہ بیچارے تو صرف چوکیدار اور محافظ ہیں لیکن دنیا کی آنکھوں میں یہ کھٹکتے

ہیں کہ جب تک یہ مولوی موجود ہیں تو دین کی اصلی شکل موجود رہے گی۔ اس لئے کہ یہ تو کہتے ہیں کہ صورت بھی نبی ﷺ والی اختیار کرو، لباس بھی نبی ﷺ والا اختیار کرو، داڑھی بھی نبی ﷺ والی اختیار کرو، ٹوپی بھی نبی ﷺ والی اختیار کرو، پگڑی بھی نبی ﷺ والی پہنو، چلتے میں بھی نبی ﷺ کا انداز ہو، خوشی کے موقع پر بھی نبی ﷺ والا انداز اختیار کرو، غم کے موقع پر بھی نبی ﷺ والا انداز اختیار کرو۔ یہ مولوی تو پوری کی پوری زندگی کو نبی ﷺ کی زندگی کی طرح بنانے کا درس دیتا ہے۔ اس کی مسجد اور مدرسے میں جو قرآن اور حدیث پڑھایا جاتا ہے اس کا عملی نمونہ اس کے طلبہ ہوتے ہیں۔

مدارس کی تعلیم سطحی نہیں

ان کے ہاں اسلام بطور فلسفہ نہیں پڑھایا جاتا، تاریخ کے ایک مضمون کے طور پر نہیں پڑھایا جاتا، نہ ہی زمانہ ماضی کی ایک تہذیب کے طور پر پڑھایا جاتا ہے اور نہ ہی اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ اسے پڑھنے اور اس کے مطالعے کے بعد اس کے اندر سے مختلف باتوں کو لے کر انہیں غلط انداز میں لوگوں کے سامنے پیش کیا جائے بلکہ ان کے ہاں تو اسلام اس لئے پڑھایا جاتا ہے کہ نبی ﷺ کی زندگی سے واقفیت ہو جائے، نبی ﷺ کی زندگی دوسروں کو سکھائی جائے، نبی ﷺ والی غیرت پیدا ہو جائے، نبی ﷺ والی حیا آ جائے، نبی ﷺ والی عبادت کرنی آ جائے اور نبی ﷺ کی پوری زندگی زندہ ہو جائے۔

حقیقی اسلام کسی کو گوارا نہیں

اور یہی بات (کہ نبی کی پوری کی پوری زندگی ہر پہلو سے زندہ ہو جائے)

بھلا کفر کو گوارا نہیں ہے۔ وہ تو یہ چاہتے ہیں کہ اگر مسلمان اس دنیا میں رہنا بھی چاہتے ہیں تو چند رسمی عبادتیں کریں، اس کے علاوہ ان کی ساری زندگی، ان کا اٹھنا بیٹھنا، رہن سہن، ثقافت، معاشرت، رسم و رواج اور تجارت وغیرہ سب انہی طریقوں پر ہوں جو ہم چاہتے ہیں۔ اسی لئے اسے مولویوں کا زندہ وجود گوارا نہیں ہے۔

میرے عزیزو! اس دور میں فتنے بارش کے قطروں سے زیادہ ہیں۔ ہر شخص کی ایک نئی سوچ ہے۔ کوئی قبر کے عذاب کے بارے میں بدگمان ہے، کوئی حدیث کے بارے میں شک میں پڑا ہوا ہے، کوئی فقہاءِ کرام کے بارے میں بدگمانی کا شکار ہے، کسی کو اسلاف کی تحقیقات پر یقین نہیں ہے۔

بدعت کی وجوہات

یاد رکھئے! جہاں عقل پرستی، نفس پرستی، خواہش پرستی اور خود پرستی ہوگی تو وہاں دین کے اندر طرح طرح کی نئی نئی ایجادات ہوں گی۔ جب اسلاف پر اعتماد نہیں رہے گا، اپنے بڑوں کی تحقیق پر اعتماد نہیں رہے گا تو دین میں نت نئی چیزیں داخل ہو جائیں گی۔ آج تو یہ حالت ہے کہ لوگ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحقیقات پر بھی یقین نہیں کرتے۔ کہتے ہیں کہ پتہ نہیں، میں تو یوں سمجھتا ہوں۔ ارے! اپنی سمجھ اور عقل کو تو دیکھو جس میں ظلمت ہی ظلمت ہے، اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔ شہوت ہی کی فکر ہے، پیٹ ہی کا دھیان ہے۔ پھر کہتے ہو میری تحقیق یہ ہے۔ (العیاذ باللہ) تو آج فتنوں کے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ ہر شخص نے دین کی ایک نئی شکل بنائی ہوئی ہے۔

صحابیِ رسول حضرت عرباض بن ساریہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ حضور ﷺ نے

ایک وعظ دیا۔ وہ خطبہ اور وعظ ایسا تھا کہ اس سے ہماری آنکھیں بہنے لگیں، اور دل ڈرنے اور کانپنے لگے۔ ایک صحابی نے پوچھا یا رسول اللہ! ایسا لگتا ہے کہ یہ آپ ﷺ کی زندگی کا آخری وعظ ہے۔ آپ ہمیں کچھ نصیحتیں فرما دیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

"اُوْصِیْکُمْ بِتَقْوَی اللّٰہِ" (ترمذی [illegible])

میں تمہیں اللہ تعالیٰ سے ڈرنے کی وصیت کرتا ہوں۔

اللہ پاک سے ہمیشہ ڈرتے رہنا، اللہ کا ڈر اپنے اندر پیدا کر لینا، اپنے امیر کی اطاعت کرنا اور جو تم میں سے اس دنیا میں رہے گا وہ عنقریب بہت سے اختلافات دیکھے گا۔ صحابہ کرام ؓ نے عرض کیا تو ایسی صورت میں ہمیں کیا کرنا ہوگا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس وقت میرے اور میرے خلفاء راشدین (ابوبکر، عمر، عثمان، علی ؓ) کے طریقے اختیار کرنا تم پر لازم ہو جائے گا، انہیں مضبوطی سے پکڑ لینا اور انہیں اپنی ڈاڑھوں سے پکڑنا۔ (اس لئے کہ سامنے والے دانتوں سے جو چیز پکڑی جاتی ہے تو کھینچنے سے نکل آتی ہے مضبوطی سے نہیں پکڑی جاسکتی لہٰذا انہیں تم ڈاڑھوں سے پکڑنا۔) اور دین کے اندر نئی نئی خرافات سے بچنا اس لئے کہ دین کے اندر ہر نئی بات بدعت ہے اور ہر بدعت گمراہی ہے۔ (ترمذی)

بدعات کی اقسام

دین کے اندر بدعات عملاً بھی ہوتی ہیں اور فکری اور نظریاتی طور پر بھی ہوتی ہیں، یعنی بدعت کی سوچ بھی نئی آگئی اور بدعت کے طور پر عمل بھی نیا آگیا۔

بدعت کی اساس

اس بدعت کی دو بنیادیں ہیں۔ پہلی بنیاد یہ ہے کہ آدمی نقل پر اعتماد کرنے کے بجائے عقل پر اعتماد کرلے۔ دوسری بنیاد یہ ہے کہ اپنی نفسانی خواہشات کو دین کے اندر داخل کردینا۔

آج کا مسلمان دین کے احکامات کو عقل کے پیمانے پر پرکھتا ہے حالانکہ اس کی عقل ناقص ہے۔ یہ دین کے حکم کو عقل پر پرکھنے کے بعد سمجھتا ہے کہ دین ناقص ہے، دین کے حکم میں نقص ہے حالانکہ نقص اس کی عقل میں ہے۔ تو یاد رکھیں کہ دین نام ہے نقل کا، عقل کا نہیں ہے۔ اگر صرف عقل پر چلیں گے تو ٹھوکریں کھائیں گے۔ ہاں اپنی عقل کو نقل کے تابع کریں گے تو نتیجہ صحیح نکلے گا۔

بدعت کی دوسری بنیاد ہوائے نفس پر ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ سچا مسلمان اپنی نفسانی خواہشات کو دین کے اندر داخل نہ کرے۔ آج کا مسلمان پہلے اپنی خواہش پوری کرتا ہے اور پھر اس کی دلیل قرآن وحدیث میں تلاش کرتا ہے۔ بجائے اس کے کہ وہ اپنے آپ کو دین کے احکامات کے مطابق ڈھالے، وہ دین کو اپنی خواہشات کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ بجائے اس کے کہ اپنی فکر کو دین کے مطابق ڈھالے وہ قرآن وحدیث کو اپنی فکر کے مطابق ڈھالنا چاہتا ہے۔ یہ گمراہی ہے۔ یہ دونوں بنیادیں جب معاشرے کے اندر رواج پا جائیں گی، عقل پرستی اور نفس پرستی کا دور دورہ ہوگا تو پھر فتنوں کی بہتات اور کثرت ہوجائے گی۔

میرے عزیزو! ایک بات یہ ہے کہ مسلمانوں میں پہلے گر عملی طور پر کوئی برائی

ہوا کرتی تھی جیسے کوئی مسلمان غلطی کرلیا کرتا تھا، اس سے کوئی خطا ہو جایا کرتی تھی، گناہ ہو جایا کرتے تھے تو وہ مسلمان اس غلطی کو غلطی سمجھتا تھا، گناہ کو گناہ سمجھتا تھا۔ اسی لئے اگر کوئی ایسا موقع زندگی میں آجاتا تھا تو اللہ اسے سچی توبہ کی توفیق بھی دے دیتا تھا۔

میڈیا، فکری گمراہی کا سب سے بڑا ذریعہ

میرے عزیزو! اب تو تعلیم کے ذریعے، میڈیا کے ذریعے، ذرائع ابلاغ کے ذریعے مسلمانوں کو گمراہی کے راستے پر مزید ایک درجہ آگے بڑھا دیا گیا ہے۔ اس لئے کہ اب مسلمان صرف خطا ہی نہیں کرتا بلکہ خطا کو خطا تسلیم کرنے کے لئے ہی تیار نہیں ہوتا، صرف گناہ نہیں کرتا بلکہ اب گناہ کو گناہ ہی نہیں مانتا، صرف حرام کا ارتکاب نہیں کرتا بلکہ یہ کہتا ہے کہ ارے یہ حرام کہاں ہے؟ اب یہ گمراہی ہے کہ مسلمانوں کی سوچ ہی بدل دی گئی ہے، ان کی فکر ہی بدل دی گئی ہے اور یہ ایک ایسا فتنہ ہے کہ جس کی وجہ سے آگے چل کر دین کی اصل شکل ہی ختم ہو جائے گی، اسلامی فکر ہی ختم ہو جائے گی، آنے والی نسل اسی تحریف شدہ دین کو اپنا دین سمجھے گی جس کو آج فکری طور پر دین بنا کر پھیلایا جا رہا ہے۔

پہلے تو یہ تھا کہ خطا ہوتی تھی تو مسلمان کہتا تھا کہ اسلام میں ایسا نہیں ہے، مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو آنے والی نسل تک دین صحیح پہنچ جاتا تھا۔ آنے والی نسل بھی یہی کہتی تھی کہ ہاں واقعی اسلام تو یہی ہے لیکن اب چونکہ فکر ہی بدل دی گئی ہے اور یہ ذہن بنا دیا گیا ہے کہ یہ گناہ ہی نہیں ہے تو جب یہ تحریف شدہ دین آئندہ نسل تک پہنچے گا تو وہ یہی سمجھے گی کہ یہی اصل اسلام ہے۔

آج سینما میں اسلام سکھایا جاتا ہے

اسی لئے تو اب مسلمان مسجد میں دین نہیں سیکھتے بلکہ سینما گھروں میں اسلام سیکھنے جاتے ہیں۔ دین کے ماہرین سے دین نہیں سیکھتے بلکہ اداکاروں سے دین سیکھتے ہیں، فلمی ستاروں سے دین سیکھتے ہیں۔ وہ انہیں اسلام سکھا رہے ہیں۔ اب مستقبل کا پتہ نہیں کہ آنے والے دور میں یہ قوم اسلام سیکھنے کے لئے کہاں کہاں جائے گی۔ ابھی تو اسلام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کے لئے سینما گھر جا رہے ہیں۔ سینما میں دین کون سکھا رہے ہیں؟ وہ جنھوں نے مسلمان ماؤں بہنوں کی حیا ختم کی ہے، جن کے رات اور دن گناہوں کی نحوست سے اتنے سیاہ ہیں جیسے اندھیری رات ہوتی ہے، جن کی حیوانیت اور وحشت دیکھ کر انسان تو کیا درندے بھی ان سے شرماتے ہیں۔ وہ اسلام سکھا رہے ہیں۔ تفسیر کون بیان کر رہا ہے؟ جو کل گانا بجا رہا تھا وہ آج تفسیر بیان کر رہا ہے۔ (سبحان اللہ)

سوچ بدل دی گئی ہے

آج مسلمانوں کی سوچ ہی بدل دی گئی ہے اس لئے کہ جبل زیتون پر جب عیسائی پادریوں کا اجتماع ہوا تو عیسائی مذہبی پیشواؤں نے کہا کہ ہم نے اتنی دولت خرچ کی، اتنا پیسہ لگایا، اسلامی ممالک کے اندر اتنی محنت کی لیکن نتیجہ صفر رہا، مسلمان عیسائی بننے کی طرف راغب نہیں ہو رہے، جو ہو رہے ہیں ان کی تعداد بہت کم ہے۔ سب نے اس پر افسوس کا اظہار کیا اور اپنی اپنی آراء پیش کیں۔ آخر میں ان کا لارڈ پادری کھڑا ہوا، اس نے اپنے ساتھیوں کی حوصلہ افزائی کی اور کہا کہ گھبراؤ نہیں بلکہ جو

بات میں کہہ رہا ہوں، اسے غور سے سنو اور اسے اپنا مشن سمجھو۔ تمہارا مشن یہ نہیں ہے کہ مسلمان کو عیسائی بناؤ، یہ کام ممکن بھی نہیں ہے۔ تمہارا مشن صرف یہ ہے کہ مسلمان کو مسلمان نہ رہنے دو، اگر یہ کام کر لیا تو تم کامیاب ہو۔

یقین جانیے کہ اگر قرآن کریم کو دیکھیں، نبی ﷺ کی احادیث کو دیکھیں، صحابہ ؓ اور تابعین رحمہم اللہ کی زندگی کو دیکھیں اور آج ہم مسلمانوں کی زندگی کو دیکھیں تو سمجھ میں نہیں آتا کہ ہم کیا کر رہے ہیں؟ کس رخ پر جا رہے ہیں؟ آج نہ تو دین پر پورا عمل ہو رہا ہے اور نہ ہی مسلمان عیسائی مذہب اختیار کر رہے ہیں بلکہ ایک درمیانی قسم کی مخلوق وجود میں آ گئی ہے۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ یہ درمیان کی مخلوق کہاں سے آ گئی ہے؟ یہ نہ ادھر کی ہے، نہ ادھر کی ہے۔ دین کا ایک نیا ایڈیشن سامنے آ رہا ہے، نئی سوچ آ رہی ہے، نئی فکر پیدا کی جا رہی ہے۔ جدت پسندی کے نام پر دین میں تحریف کی جا رہی ہے۔ اس وقت مسلمانوں پر چاروں طرف سے فکری طور پر انتہائی زبردست حملہ کیا جا رہا ہے۔

میڈیا سے پھیلایا جانے والا دین

میرے عزیزو! آج مسلمانوں کو ذرائع ابلاغ کے ذریعے جو دین سکھایا جا رہا ہے وہ دین نہیں ہے بلکہ اس کے ذریعے مسلمانوں کا رشتہ مسجد سے توڑا جا رہا ہے۔ انہیں ذرائع ابلاغ کے ذریعے دین کا جو مواد دیا جا رہا ہے وہ دین کا حقیقی مواد نہیں ہے بلکہ ایسا مواد ہے جو اسلام دشمن عناصر کے تقاضوں کے عین مطابق ہے۔ ذرائع ابلاغ کے ذریعے یہ مواد مہیا کرنے کا مقصد یہ ہے کہ وہ علماء سے دین کی تعلیمات حاصل نہ

کر سیکھیں، اس لئے کہ مسلمان جب علماء کو چھوڑ کر ان اسباب و ذرائع سے دین سیکھنے لگ جائیں گے جو غیروں کے اختیار اور کنٹرول میں ہیں تو جو زہر بھی وہ مسلمانوں کو دینا چاہیں گے، مسلمان اسے آرام سے نگل جائیں گے۔ ایک صحیح بات کہہ کر چار باتیں غلط بیان کی جائیں گی تو سامنے والوں کو احساس بھی نہیں ہوگا کہ یہ غلط باتیں ہیں جو ہمارے ذہنوں میں ڈال دی گئی ہیں۔

لیکن جب مسلمانوں کی یہ عادت بن جائے گی کہ حدیث بھی چھوڑ دی جائے گی، قرآن بھی چھوڑ دیا جائے گا، فقہاء کو بھی چھوڑ دیا جائے گا، علماء ربانیین کو بھی چھوڑ دیا جائے گا تو کیا ہوگا؟ پھر یہی ہوگا کہ بے دین اور غلط لوگوں سے دین سیکھا جائے گا۔ آج اسی طرح کے کسی آدمی سے پوچھا جائے کہ جناب آپ کس سے دین سیکھ رہے ہیں؟ تو جواب ملتا ہے کہ فلاں پروفیسر صاحب سے۔ کیوں بھائی ان کی کیا خاص بات ہے؟ ارے بھائی! بہت اچھا لیکچر دیتا ہے۔ فلاں ڈاکٹر صاحب سے دین سیکھا جا رہا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ان کی معلومات بہت ہیں۔

ارے! شیطان کی معلومات بھی تو بہت زیادہ تھیں مگر کیا ہوا؟ وہ تو راندۂ درگاہ ہو گیا۔ اس کی غلطی کیا تھی؟ ارے! اس کی بھی یہی غلطی تھی کہ اس کے پاس وہ علم نہیں تھا جو قرآن و حدیث میں ہے۔ آج کے یہ نام نہاد اسلامی اسکالر بھی سب کے سب بے دین لوگ ہیں، غیروں کے ایجنٹ ہیں۔

فیضی بھی اپنے زمانے کا بہت بڑا مفسر تھا، اس نے قرآن کریم کی ایک تفسیر لکھی تھی جو بغیر نقطے کے تھی۔ ہم اور آپ ایک جملہ بغیر نقطے کے نہیں بول سکتے اور فیضی نے (جس نے اکبر کو نیا دین بنا کر دیا تھا کہ اکبر بادشاہ نے کہا تھا کہ میں نیا دین دینا چاہتا

ذہین ہونے کا تو اس کے جو پیروکار تھے اور جو اس کا مفاد پرست ٹولہ تھا اس میں ایک فیضی بھی تھا) نے بغیر نقطے کے پورے قرآن کریم کی تفسیر لکھ دی تھی۔ اندازہ لگائیے کہ وہ کتنا ماہر ہوگا، کتنی زبردست معلومات رکھتا ہوگا؟ لیکن وہ بھی گمراہی کا شکار ہوگیا اور اللہ کے دین کے مقابلے میں ایک نیا دین گھڑنے کی کوشش کی۔ اس لئے کسی کی معلومات کا زیادہ ہونا اس بات کی دلیل نہیں کہ وہ دین کے علم میں بھی ماہر ہے یا ہوگا۔ اور اسی بنا پر اس سے متاثر ہوکر دوسروں کے سامنے اس کی عظمت کا تاثر دینا بھی صحیح نہیں ہے۔

معلومات حق کا معیار نہیں

اے میرے عزیزو! معلومات کا زیادہ ہونا تو حق کا معیار نہیں ہے، اچھا بولنا تو حق کا معیار نہیں ہے۔ حق کا معیار یہ ہے کہ یہ کام اللہ نے قرآن کریم میں بتایا ہے، نبی کریم ﷺ نے حدیث میں بتایا ہے۔ ان دو چیزوں کے بعد تیسری چیز یہ ہے کہ ہمیں قرآن اور حدیث کا وہی مطلب اور معنی سمجھنا اور اختیار کرنا ہے جو حضرات صحابہ ؓ اور تابعین رحمہم اللہ نے سمجھا اور مراد لیا تھا۔ ان تینوں چیزوں کو سامنے رکھتے ہوئے ہمیں اس پر غور کرنا چاہئے کہ آج کا منکر قرآن و حدیث کا جو مطلب لوگوں کو سمجھا رہا ہے کیا یہ وہی مطلب ہے جو صحابہ کرام ؓ نے سمجھا تھا؟ جو تابعین رحمہم اللہ نے سمجھا تھا؟ جو تبع تابعین رحمہم اللہ نے سمجھا تھا؟ اگر ایسا نہیں ہے تو یہ شخص غلط ہے اور اس کی تعلیمات اور افکار بھی غلط ہیں۔

فتنہ یہاں سے پڑ گیا ہے کہ ہر بے دین شخص قرآن کا نام لے کر قرآن سے

اپنے انداز میں اپنا سمجھا ہوا مطلب لوگوں کو سمجھاتا ہے اور کہتا ہے کہ فلسفہ یہ ہے۔ یوں نہیں ہونا چاہیے۔

ارے! جو مفہوم تم سمجھ رہے ہو، کیا یہ وہی مفہوم صحابہ ؓ، تابعین اور تبع تابعین رحمہم اللہ نے بھی سمجھا یا ہے۔ یا آج تم پر کوئی وحی آ رہی ہے کہ تم اپنے تخلیق کردہ فلسفے اور عقائد کا پرچار کر رہے ہو۔ دینی اصطلاحات واحکامات کی من چاہی تشریح کر رہے ہو۔

فکری گمراہی کی پہلی بنیاد

تو میرے عزیزو! فکری گمراہی کی پہلی بنیاد یہی ہے کہ اپنے اسلاف کی تحقیق پر اعتماد نہ کیا جائے اور اس معاملے میں عقل کو نقل پر ترجیح دے دی جائے یہاں تک کہ آدمی یہ کہنے لگے کہ میں نے جو کچھ سمجھا ہے، یا جو کچھ میں سمجھ رہا ہوں وہ ٹھیک ہے۔ نیز یہ کہنا کہ صحابہ کرام ؓ نے جو کچھ سمجھا اس کے مقابلے میں میری سمجھ زیادہ بہتر ہے۔ میں فلسفہ سمجھتا ہوں، لوجک جانتا ہوں، اس بات کا پس منظر جانتا ہوں۔ اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ صحابہ کرام ؓ بھی پس منظر نہیں جانتے تھے آج لوگ کہتے ہیں کہ خنزیر بھی حلال ہے، لوجک یہ دیتے ہیں کہ اس زمانے میں اس لئے حلال ہے کہ آج کل اس کی پرورش بڑی صاف ستھری جگہوں پر ہوتی ہے جبکہ پرانے زمانے میں اس لئے حرام تھا کہ اس کی پرورش گندی جگہوں پر ہوتی تھی۔ آپ چور ڈاکوؤں کے پاس چلے جائیں تو ان کے پاس بھی زبردست لوجک ہے مگر وہ ہم سے برداشت نہیں ہوگی۔ ان سے اگر پوچھا جائے کہ امیروں کے گھر میں ڈاکے کیوں مارتے ہو؟ تو کہتے ہیں اس

لئے ڈاکے مارتے ہیں تاکہ غریبوں کو کھلائیں۔ ان کے پاس بھی وجہ ہے۔ شراب پینے والے سے اگر پوچھا جائے کہ شراب کیوں پی رہے ہو؟ تو کہتا ہے اس سے طاقت آئے گی تو اپنے بچوں کے لئے حلال روزی کماؤں گا۔ ہر برائی کرنے والے کے پاس کوئی نہ کوئی توجیہ موجود ہے۔ کوئی نہ کوئی عقلی جواب موجود ہے۔

عقل پرستی گمراہی کا راستہ ہے

سچ کہہ رہا ہوں اگر عقل پر چلو گے تو گمراہ ہو جاؤ گے، ایمان کا سودا کر بیٹھو گے اور پتہ بھی نہیں چلے گا۔

دنیا میں عبداللہ نام کا ایک عقل پرست گزرا ہے۔ اس نے کہا تھا کہ اپنی بہن سے بھی شادی کرنا جائز ہے اور اس نے یہ بات عقل کی بنیاد پر کی تھی، اس لئے کہ بہن بھائی کا مزاج زیادہ جانتی ہے، ماں سے بھی زیادہ محبت کرتی ہے۔ نئی لڑکی کو گھر میں لے آؤ گے تو نہ اس کی ماں کے ساتھ سیٹنگ ہوتی ہے، نہ شوہر کے ساتھ سیٹنگ ہوتی ہے۔ بہن سے شادی کرنے میں ساس، بہو کی لڑائی بھی نہیں ہوگی، شوہر کے لئے بھی مسائل کھڑے نہیں ہوں گے کہ بہن گھر کی ہے۔ محبت بھی ہے، مزاج بھی جانتی ہے، عقلی لحاظ سے اس سے بہتر جوڑ آپ کو نہیں ملے گا۔ تو بتایئے عقل کے لحاظ سے آپ اس بات کو کیسے رد کریں گے؟ لیکن میرے عزیزو! اگر عقل چلائیں گے تو پھر درندگی کی زندگی آ جائے گی، انسانیت ختم ہو جائے گی۔

میرے عزیزو! بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو اللہ تعالیٰ نے ہمیں اپنے علم کے مطابق عطا فرمائی ہیں، انسان کی عقل وہاں تک پہنچ ہی نہیں سکتی۔ ان چیزوں میں

اپنی عقل چلانے سے انسان گمراہ ہو جاتا ہے۔

بہت سارے عقل پرستوں نے قبر کے عذاب کا انکار کیا۔ کیوں؟ اس لئے کہ انہوں نے کہا کہ یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ جب ہڈیاں بوسیدہ ہو گئی ہوں، ریزہ ریزہ ہو گئی ہوں اور ہواؤں، فضاؤں، سمندروں اور دریاؤں میں بکھر گئی ہوں تو انہیں کس طرح قبر میں عذاب ہو سکتا ہے؟

اس لئے اگر عقل کے راستے پر چل پڑے تو قبر کا عذاب بھی گیا۔ پل صراط بھی گیا، آخرت کی ساری زندگی کی چھٹی ہو گئی۔ پھر کیا ہوگا؟ گمراہی ہی گمراہی ہوگی۔

فکری گمراہی کفر کا سبب بنتی ہے

تو میرے عزیزو! آج معاملہ گناہ کا نہیں ہے۔ آج معاملہ اسلام اور کفر کا بن چکا ہے اس لئے کہ فکری گمراہی سے آدمی مسلمان بھی نہیں رہتا۔ ایک ہے نماز نہ پڑھنا، یہ کبیرہ گناہ ہے اور ایک یہ کہ نماز کا سرے سے انکار کر دینا اور کہنا کہ نماز ہے ہی نہیں، یہ کفر ہے۔ ایک ہے شراب پینا یہ گناہ ہے اور ایک ہے اس بات کا کہنا کہ اسلام میں شراب حرام ہی نہیں ہے تو یہ کفر ہے۔ ایک ہے موسیقی سننا یہ گناہ کبیرہ ہے، اور ایک یہ ہے کہ اس بات کا اعتقاد رکھنا کہ موسیقی اسلام میں حرام ہی نہیں ہے۔ اس میں کفر کا خطرہ ہے۔ تو آج مسلمانوں کو فکری گمراہی کی طرف لے جایا جا رہا ہے کہ گناہ کریں بھی اور اسے گناہ بھی نہ سمجھیں، سود کھائیں بھی اور پھر اس سود کو تجارت کا نام دے دیں، رشوت لیں اور اسے تحفے کا نام دے دیں، شراب پئیں اور اسے مشروب کا نام دے دیں، بے حیائی کریں اور اسے ثقافت کا نام دے دیں، فراڈ کریں اور اسے

ہوشیاری کا نام دے دیں۔ غلط نظام زندگی اختیار کریں اور اسے ترقی کا نام دے
دیں۔ ہر گناہ کا نام بدل کر نے کرتے رہیں تا کہ انہیں توبہ کی بھی توفیق نصیب نہ ہو۔

ہم ہر سال رمضان کے مقدس مہینے کو بڑے احترام اور اہتمام سے گزارتے
ہیں لیکن رمضان کے بعد ہماری پھر وہی چال ہوتی ہے جو رمضان سے پہلے ہوتی تھی۔
وجہ یہ ہے کہ ہماری زندگی میں بہت سے ایسے گناہ رچ بس گئے ہیں، جنہیں ہم نے
گناہ کی فہرست سے ہی نکال دیا ہے۔ جس کی وجہ سے معاملہ وہیں کا وہیں رکا رہتا
ہے۔ چونکہ رمضان میں رحمت کی فضا ہوتی ہے اور اللہ پاک کی جانب سے رحمتوں کا
نزول ہوتا ہے تو ان کی برکت سے مسجد میں آجاتے ہیں لیکن جونہی رحمتوں کا یہ مہینہ ختم
ہوتا ہے تو ہم پھر اپنی پرانی روش پر چلے جاتے ہیں۔ برائیوں کو جس مقام پر چھوڑ کر
آتے ہیں انہیں وہیں سے دوبارہ کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ کفر ہم سے یہی چاہتا ہے
اسی لئے اس نے اس نکتے پر کام کر کے مسلمانوں کو گناہ کا عادی بنا دیا ہے اور ان کے
اندر سے گناہوں کے احساس کو ہی ختم کر دیا ہے۔

تو بدعت کی ایک صورت یہ ہے کہ نت نئے نظریات نئی فکر کی سوچ اختیار کی
جائے۔ ہر شخص کہتا ہے قرآن میں یہ ہے قرآن میں وہ ہے ارے! جو چیز اور مفہوم
قرآن سے تم سمجھ رہے ہو کیا نبی نے بھی سمجھا ہے؟ صحابہ نے بھی سمجھا ہے؟ حدیث
میں یہ ہے۔ ارے احادیث سے جو مفہوم و مراد تم سمجھ رہے ہو کیا اسے تابعین نے بھی
سمجھا ہے؟ ایسے لوگ اپنے نظریات اور افکار کو پھیلانے کی ہر ممکن کوشش کرتے
ہیں اور اپنے آپ کو صحیح راہ پر سمجھتے ہوئے دوسرے کو غلط اور گمراہ سمجھتے ہیں اور اپنے لئے
ایک نیا فرقہ بنا لیتے ہیں۔

فرقہ واریت سے نجات کا طریقہ

تمام گروہ بندیوں، فرقہ پرستیوں سے نجات کا راستہ ایک ہے کہ اپنے اسلاف کی تحقیق پر اعتماد کیا جائے۔

اللہ تعالیٰ نے چار حضرات کو دنیا میں عجیب مقبولیت نصیب فرمائی ہے۔ امام اعظم حضرت امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام مالک رحمۃ اللہ علیہ، حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ۔ چاروں اللہ کے مقبول بندے، اللہ کے پیارے۔ اللہ نے انہیں ایسا قبول کیا اور ان سے ایسی خدمت لی کہ تا قیامت اللہ تعالیٰ نے ان کا نام زندہ کر دیا ہے۔ قرآن و حدیث کی تحقیق اور ان کے اندر سے مسائل نکال کر امت پر انہوں نے وہ احسان کیا کہ روزِ قیامت تک بھی اگر کوئی بندہ اپنی پوری زندگی ان کے اس احسان کا بدلہ دینا چاہے تو نہیں دے سکتا۔

آج پوری دنیا کے مسلمان انہی چار حضرات کی محنت کی بدولت اسلام پر چل رہے ہیں، جو محنت انہوں نے اپنی زندگیاں لگا کر کی تھی۔ یہ اس دور کے لوگ تھے جسے اللہ کے رسول ﷺ نے خیر القرون کا دور کہا ہے (یعنی بہترین زمانہ) ان کی تحقیق پر اعتماد ہونا چاہئے کہ انہوں نے قرآن و حدیث سے کیا سمجھا اور مراد لیا۔

دورِ حاضر کی ایک عام گمراہی

آج ایک گمراہی تو یہ ہے کہ کہتے ہیں جی کیا ضرورت ہے کسی کی تقلید کرنے کی؟ کسی امام کو ماننے کی؟ بس قرآن اور حدیث کافی ہیں۔

یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کہا جائے کہ کیا ضرورت ہے کسی طبیب کے پاس

جانے کی۔ بس کتابیں موجود ہیں میں خود ہی علاج کرلوں گا۔ اگر ایسا کیا تو ان شاءاللہ بہت جلدی قبرستان بھر جائیں گے۔

جب کوئی بیمار ہو جاتا ہے تو سب کا رجحان اس طرف ہوتا ہے کہ فوراً کسی ماہر ڈاکٹر کو تلاش کیا جائے اور جب کوئی ماہر ڈاکٹر مل جاتا ہے تو اس پر اعتماد کرکے اس سے دوا لی جاتی ہے۔ پھر اسے یہ نہیں کہتے آپ نے اس دوا کے اندر کون کون سے اجزاء ملائے ہیں؟ اس دوا کے اندر یہ دوائی کتنی مقدار میں ڈالی ہے؟ وہ دوائی کس تناسب سے ڈالی ہے؟ اگر یہ کہیں گے تو وہ ڈاکٹر کان پکڑ کر کلینک سے باہر نکال دے گا اور کہے گا اپنی اوقات میں رہو، دوا لینے آئے ہو یا ڈاکٹری سمجھانے کے لئے آئے ہو؟

تو عقل اور دانشمندی کا تقاضا کیا ہوتا ہے کہ ہر فیلڈ میں اس فیلڈ کے سمجھدار اور ماہر آدمی پر اعتبار کیا جاتا ہے اور اعتماد کرنے کے بعد پھر اس کی بات کو مانا جاتا ہے۔

میرے عزیز و! الحمدللہ ہم نے قرآن و حدیث کے معاملے میں حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحقیق پر اعتماد کیا ہے۔ بنسبت اس کے کہ آج ہم کوئی تحقیق کریں اور اسے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کی تحقیق سے بہتر سمجھیں، ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ ان لوگوں (صحابہ کرام رضی اللہ عنہم) کی تحقیق ہماری تحقیق کے مقابلے میں ہزار درجے بہتر ہے جن کا تقویٰ، جن کی پرہیزگاری، جن کی امانت، جن کی دیانت، جن کا حافظہ، جن کی ذہانت، جن کی للّٰہیت، جن کا اخلاص ہم سے کروڑوں درجے بہتر تھا۔

بدعت کی دوسری صورت

بدعت کی دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ دین میں ایک چیز موجود ہی نہ ہو اور اسے کرنا شروع کر دیا جائے یا جس طریقے سے شریعت نے بتایا ہے اس کے اندر کوئی اضافہ کر دیا جائے یا کام کرنے کی جو شکل بتائی ہے اسے کسی پابندی میں جکڑ دیا جائے یا اس میں اپنی طرف سے کوئی تبدیلی یا نرمی ڈھونڈ لی جائے۔ یہ ساری بدعت کی مختلف صورتیں ہیں۔ پہلی صورت کی مثال جیسے غیر اللہ کے سامنے جھکنا اور ان کو سجدے کرنا، قبروں کا طواف کرنا، غیر اللہ کے نام پر نذر و نیاز وغیرہ دینا ہے۔ ان میں بعض بدعات ایسی ہیں جو کفر کے درجے میں ہیں انہیں شرک جلی کہتے ہیں اور بعض بدعات ایسی ہیں جو گناہ کے درجے میں ہیں۔

تو میرے عزیزو! یہ دین کے اندر ایک اضافہ ہے۔ دین کے اندر زیادتی ہے اور درحقیقت یہ نبی ﷺ پر عدم اعتماد کا اعلان ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر عدم اعتماد کا اعلان ہے کہ بہت ساری چیزیں حضور ﷺ نے نہیں کیں مگر ہم نے انہیں کیا، یہ صحابہ رضی اللہ عنہم نے نہیں کیں مگر ہم نے انہیں کرنا شروع کر دیا۔ وہ نہیں سمجھے (کہ یہ نیکی کا کام ہے) اور ہم سمجھ گئے ہیں (نعوذ باللہ) تو یہ ان پر عدم اعتماد کا واضح اعلان ہے۔

تو میرے عزیزو! اس دور میں ایک فتنہ دین میں نئے نئے نظریات، نئے نئے افکار اور نت نئے اعمال کا وجود ہے اور ان سے نجات کا راستہ یہ ہے کہ ہم اپنی زندگی کو گناہوں سے پاک کریں تو (ان شاء اللہ) اللہ تعالیٰ آپ کا حشر ان لوگوں کے ساتھ ملائے گا جن کی زندگی میں گناہ نہیں ہیں۔

جنس جنس کی طرف مائل ہوتی ہے۔ بکری بھیڑ کی طرف نہیں جائے گی۔ مرغی بکری کی طرف نہیں جائے گی۔ اس لئے اگر دل کی دنیا گناہوں سے پاک ہو جائے گی تو ان شاء اللہ خود بخود ان لوگوں کی طرف انس اور رغبت ہوگی جن کی زندگی گناہوں سے پاک ہے۔ اور اگر خود خواہش پرست ہیں تو خواہش پرستی والے دین کی دعوت دینے والے لوگوں کے پیچھے بھاگیں گے۔ اب تو ان لوگوں کی باتیں اس لئے فوراً قبول ہو جاتی ہیں کہ وہ بالکل مزاج کے مطابق بات کرتے ہیں۔ اس لئے کہ ہم کہتے ہیں یہ اچھا ہے کہ کچھ بدلنا بھی نہیں پڑا اور مسلمان بھی رہے، کچھ بدلنا بھی نہیں پڑا اور دیندار بھی شمار ہونے لگے، کچھ چھوڑنا بھی نہیں پڑا اور پکے مسلمان بھی بن گئے۔ ان کی باتیں اس لئے اچھی لگتی ہیں کہ آج زندگیوں میں گناہ رچ بس گئے ہیں۔ ان سے نجات کا راستہ یہی ہے کہ اپنی زندگی کو گناہوں سے پاک کرنے کی کوشش کی جائے۔

اس سلسلے میں دوسری چیز مقدس راتیں اور مقدس دن ہیں۔ ان میں اللہ سے گڑگڑا کر دعا کیا کریں کہ

﴿اهدنا الصراط المستقيم﴾ (الفاتحہ: ۵)

(اے اللہ) ہمیں صراط مستقیم (سیدھا راستہ) نصیب فرما۔

یہ آیت سورۂ فاتحہ میں ہے اور سورۂ فاتحہ خود اللہ تعالیٰ نے بندے کو سکھائی ہے کہ مجھ سے یوں مانگا کرو۔

اگر آپ کسی ملازم سے کہیں کہ درخواست یوں لکھ کر لے آؤ تو کیا مطلب ہوتا ہے آپ کا؟ یہی نا کہ اس کی درخواست قبول کر لی جائے گی۔ تو اللہ بھی یوں کہہ رہا ہے کہ مجھ سے یوں مانگو۔ یہ کہو کہ

﴿اهدِنَا الصِّرَاطَ المُستَقِيمَ﴾ (الفاتحہ:۵)

کیا مطلب؟ اللہ تعالیٰ خود صراط مستقیم دینا چاہتا ہے تب ہی تو کہا ہے کہ مجھ سے مانگو۔ تو کوئی آدمی سچی طلب کے ساتھ، دل کی صفائی کے ساتھ یہ مانگے کہ "اے اللہ! صراط مستقیم نصیب فرما" تو ان شاء اللہ، اللہ تعالیٰ اسے صراط مستقیم پر چلنے والوں کے ساتھ جوڑ دیں گے۔

دو کام کرلیں۔ پہلا کام یہ کہ اپنی زندگی سے گناہوں کو نکال دیں اور دوسرا کام یہ کہ اپنے اللہ سے سچی طلب کے ساتھ صراط مستقیم اور ہدایت کی دعا مانگیں تو اللہ تعالیٰ اپنے مقبول اور پیارے بندوں کے ساتھ آپ کو جوڑ دیں گے (ان شاء اللہ)۔ پھر آپ کا ذہن یہ نہیں بنے گا کہ کس کی مانیں اور کس کی نہ مانیں، کوئی کیا کہتا ہے، کوئی کیا کہتا ہے، بلکہ اللہ تعالیٰ صراط مستقیم کی طرف آپ کی رہنمائی کریں گے، اپنے پیارے بندوں کے ساتھ آپ کو جوڑ دیں گے اور اپنے مقبول بندوں میں شامل کرلیں گے۔

✿✿✿✿✿

اہلِ کفر کا اہلِ اسلام پر غلبہ

کفار کا اہلِ ایمان پر غلبہ پالینا ایک بہت بڑا فتنہ ہے۔ اس غلبہ کی مختلف صورتیں اقتصادی، سیاسی، معاشی، سماجی، ثقافتی، دفاعی، ذہنی اور فکری غلبے کے طور پر ہوتی ہیں۔ یہ فتنہ اس وقت برپا ہوتا ہے جب مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی ذمہ داریوں کو بجا نہیں لاتے اور انہیں انجام دینے میں سستی اور کاہلی سے کام لیتے ہیں۔

دور حاضر کا ایک اور بڑا فتنہ کفار کا اہل ایمان پر غلبہ پالینا ہے۔ اقتصادی، سیاسی اور معاشی طور پر کفار کا مسلمانوں پر غالب آجانا بھی ایک فتنہ ہے۔ یہ فتنہ اس وقت برپا ہوتا ہے جب مسلمان انفرادی اور اجتماعی طور پر اپنی ذمہ داریوں کو بجا نہیں لاتے اور انہیں انجام دینے میں سستی اور کوتاہی سے کام لیتے ہیں۔

غزوہ احد میں جب حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم پر کفار کا غلبہ ہوا تو بعض صحابہ رضی اللہ عنہم کے دل میں آیا کہ ہم پر کافر غالب آگئے ہیں، کیا ہم حق پر نہیں ہیں؟ کیا ہمارے پاس سچا دین نہیں ہے؟ تو قرآن کی یہ آیت نازل ہوئی:

﴿قُلْ هُوَ مِنْ عِنْدِ أَنْفُسِكُمْ﴾ (سورۃ آل عمران: ۱۶۵)

کہہ دیجئے کہ وہ تمہاری اپنی جانب سے آئی ہے۔

تمہارے اپنے اندر کی کمزوری ہے۔ اس کمزوری کی وجہ سے ایسا ہوا ہے۔ تم نے حضور ﷺ کی ہدایات پر عمل نہیں کیا تو یہ اسی کا نتیجہ ہے اور فرمایا:

﴿وَمَا أَصَابَكُمْ مِنْ مُصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ وَيَعْفُو عَنْ كَثِيرٍ﴾ (سورۃ الشوریٰ: ۳۰)

اور تم پر جو بھی مصیبت آتی ہے یہ تمہارے اپنے ہاتھوں کے کرتوت ہیں (اپنے اعمال کی بدولت ہے) اور وہ (اللہ تعالی) بہت سے گناہوں کو معاف کرتا ہے۔

مصیبت اپنے اعمال کی وجہ سے آتی ہے

اگرچہ ہر مصیبت کا پورا بدلہ اللہ دنیا میں نہیں دیتا، بہت ساری کوتاہیوں کو معاف کردیتا ہے لیکن معاشرے میں جو کچھ ہو رہا ہوتا ہے وہ دراصل تمہارے اندر کی کمزوریوں کے سبب ہوتا ہے، تو کفر کا غلبہ اس وقت ہوتا ہے جب مسلمان اپنی انفرادی اور اجتماعی ذمہ داریوں پر عمل نہیں کرتے۔ اس لئے پیارے رسول ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب ان کمزوریوں کی بدولت مسلمانوں پر انتہائی سخت وقت آئے گا۔

" یُوْشِکُ الْأُمَمُ اَنْ تَدَاعٰی عَلَیْکُمْ کَمَا تَدَاعَی الْاَکَلَةُ اِلٰی قَصْعَتِھَا فَقَالَ قَائِلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمِنْ قِلَّةٍ نَحْنُ یَوْمَئِذٍ قَالَ: بَلْ اَنْتُمْ یَوْمَئِذٍ کَثِیْرٌ وَلٰکِنَّکُمْ غُثَاءٌ کَغُثَاءِ السَّیْلِ وَلَیَنْزِعَنَّ اللّٰہُ مِنْ صُدُوْرِ عَدُوِّکُمُ الْمَھَابَةَ مِنْکُمْ وَلَیَقْذِفَنَّ فِیْ قُلُوْبِکُمُ الْوَھْنَ فَقَالَ قَائِلٌ: یَارَسُوْلَ اللّٰہِ وَمَا الْوَھْنُ قَالَ: حُبُّ الدُّنْیَا وَکَرَاھِیَةُ الْمَوْتِ "

(ابوداؤد، کتاب الملاحم، باب فی تداعی الامم علی الاسلام، ص ۱۲۹)

(پیارے رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ) ایک وقت آئے گا کہ کفار تم پر یوں حملہ آور ہوگا جس طرح بہت سارے بھوکے اکٹھے ہوں اور کسی کھانے کے پیالے پر جھپٹ رہے ہوں (اور ہر ایک دوسرے سے پہلے اس کے حصول کے لئے کوشش کر رہا ہو۔ اسی طرح اہل کفر تمہیں کھانے، چیر پھاڑ کرنے اور تم پر حملہ کرنے کے لئے ایک دوسرے سے سبقت کریں گے۔ حضرات صحابہ ؓ میں سے) کسی کہنے والے نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! کیا اس وقت ہماری تعداد تھوڑی ہوگی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: تمہاری تعداد تو بہت ہوگی لیکن تمہاری

حیثیت سیلاب کے اوپر آجانے والے کچرے کی طرح ہوگی۔ (جیسے سیلاب کے اوپر آجانے والے کچرے کی کوئی منزل نہیں ہوتی وہ لہروں کا محتاج ہوتا ہے جس طرف لہریں چلتی ہیں اسی طرف بکھرا جاتا ہے۔ کبھی کانٹوں میں، جھاڑیوں میں، کونوں میں اور اطراف میں جاکے اٹک جاتا ہے، اس کی کوئی منزل نہیں ہوتی تمہاری حیثیت بھی ایسی ہی ہوگی) اور اللہ رب العزت تمہارے دشمنوں کے دل سے تمہارا رعب و دبدبہ نکال دے گا اور تمہارے دلوں کے اندر وہن ڈال دے گا۔ (حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے) کسی کہنے والے نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! یہ وہن کیا چیز ہے؟ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ وہن نام ہے دنیا کی محبت اور موت کی ناپسندیدگی کا۔

اس حدیث کے تناظر میں دیکھیں تو حقیقت بالکل واضح ہو جاتی ہے۔ آج مسلمانوں کے پاس ستاون ممالک ہیں، شاید اتنے ممالک مسلمانوں کے پاس کبھی نہیں آئے۔ معدنیات کے ذخائر کے بڑے حصے مسلمانوں کے ممالک میں واقع ہیں۔ مجموعی طور پر مسلم ممالک کے پاس موجود تجارتی بندرگاہوں کی تعداد بھی ماضی کے مقابلے میں کہیں زیادہ ہے۔ دنیا میں پائے جانے والے تیل اور پیٹرول کے معلوم ذخائر میں سے ۷۰ فیصد مسلمان ممالک کے پاس ہیں، آبادی کے لحاظ سے مسلمانوں کی اتنی بڑی تعداد ماضی میں کبھی موجود نہ تھی۔ پھر جو ممالک مسلمانوں کے پاس ہیں ان کے اندر چار چار موسم آتے ہیں جن سے دنیا کے دوسرے ممالک محروم ہیں۔ کسی چیز کی کمی نہیں ہے، کمی ہے تو بس یہ کہ دین کی محبت اور لگن نہیں رہی اور اس کی جگہ دلوں میں دنیا اور مال کی محبت آگئی ہے؟

تو میرے عزیزو! کفر کو غلبہ ایسے ہی نہیں آجاتا بلکہ یہ مسلمانوں کی

اور اجتماعی کمزوریوں سے آتا ہے جن کی نشاندہی رسول کریم ﷺ نے فرمائی ہے۔

غلبۂ کفر ارتداد کا سبب بنتا ہے

جب اہل ایمان پر کفر کا غلبہ ہوتا ہے تو اس سے ایک بڑا فتنہ برپا ہونے لگتا ہے اور وہ یہ کہ مسلمان اپنا دین چھوڑنے لگتے ہیں اور کفر کی طرف جانا شروع ہو جاتے ہیں۔ دنیا کے فائدے کی خاطر دین کو پسِ پشت ڈال دیتے ہیں۔ ارتداد کا عام رواج پڑ جاتا ہے، لوگ مرتد ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔ جب کفر کا غلبہ ہوتا ہے تو لوگ اقتصادی، معاشی، عسکری اور فوجی طور پر مضبوط اور طاقتور ممالک کی ثقافت وتہذیب اور نظریات سے متاثر ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

کفار کا پہلا حربہ

مسلمانوں پر اپنا غلبہ اور تسلط قائم کرنے کے لئے اہل کفر کبھی اپنی طاقت کی بنیاد پر دھمکی دے کر اپنے مطالبات منظور کرواتے ہیں کہ ہمارا یہ آرڈر مانو، اسے تسلیم کرو۔ ہماری پالیسیوں پر عمل کرو ورنہ ہم یوں کر دیں گے۔ ہمارا پسندیدہ نظام زندگی اپنے معاشرے میں رواج دو ورنہ ہم امداد بند کر دیں گے، ہمارا منظور شدہ نصاب تعلیم اپنے تعلیمی اداروں میں نافذ کرو ورنہ ہم اقتصادی پابندیاں عائد کر دیں گے، کبھی یہ دھمکیاں اجتماعی طور پر دی جاتی ہیں اور کبھی انفرادی طور پر دھمکایا جاتا ہے۔ کوئی مسلمان جب انفرادی طور پر کسی ایسے ماحول میں پھنس جاتا ہے تو اسے کہا جاتا ہے کہ مرتد بن جاؤ ورنہ نوکری سے چھٹی ہو جائے گی، ملازمت ختم ہو جائے گی، اس ملک سے نکال دیا جائے گا۔

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ رومیوں کے ہاتھوں گرفتار ہو گئے۔ رومیوں نے انہیں لالچ دیا کہ اسلام سے دستبردار ہو جاؤ، آدھا ملک مل جائے گا، شہزادی سے شادی کرا دی جائے گی۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو انہوں نے دوسرا انداز اختیار کیا۔ انہیں دھمکایا اور ان کے ساتھیوں کے لئے تیل کی دیگیں آگ پر چڑھائی گئیں اور ان کے ساتھیوں کو کھولتے ہوئے تیل کی دیگوں میں ڈال دیا گیا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ کی باری آئی تو بادشاہ نے ان سے کہا کہ اسلام سے دستبردار ہو جاؤ ورنہ تمہارا بھی یہی حال ہوگا۔ حضرت عبداللہ بن حذافہ رضی اللہ عنہ نے کہا: میں مرنے کے لئے تیار ہوں لیکن اسلام کو نہیں چھوڑ سکتا۔

بادشاہ نے انہیں تیل کی دیگ میں ڈالنے کا حکم دے دیا۔ شاہی خدمتگار انہیں لے کر چلے گئے۔ جب انہیں دیگ میں ڈالنے لگے تو ان کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ بادشاہ کے کارندوں نے جب یہ دیکھا کہ وہ رو رہے ہیں تو سوچا کہ شاید ڈر گئے ہیں۔ چلو انہیں بادشاہ کے پاس لے چلتے ہیں کیا معلوم ہماری مطالبہ مان لیں۔ کفر اختیار کر لیں۔ اسلام سے دستبردار ہو جائیں تو ہم دنیا کو دکھا سکیں گے کہ ایک صحابی جس نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا اس نے اسلام چھوڑ دیا ہے۔ لہٰذا ہم کہہ سکیں گے کہ یقیناً اسلام میں کوئی خامی ہے جبھی تو ایک صحابی اپنے دین (اسلام) سے دستبردار ہو گیا ہے۔ انہیں بادشاہ کے پاس لے جایا گیا۔ بادشاہ نے ان سے پوچھا کہ آپ کیوں رو رہے ہیں؟ کیا وجہ ہے؟ آپ رضی اللہ عنہ نے فرمایا: "اس لئے رو رہا ہوں

کہ میری ایک ہی جان ہے، تیل میں جل کر ختم ہو جائے گی۔ میری چاہت تمنا اور آرزو یہ ہے کہ میرے جسم پر جتنے بھی بال ہیں میری اتنی ہی جانیں ہوتیں اور میں ان کو ایک ایک کر کے اللہ کے راستے میں قربان کر دیتا۔"

اللہ کرے اس ایمان کا کوئی ایک ذرہ ہمیں بھی مل جائے تو پھر ہم بازاروں اور چوراہوں میں کھڑے ہو کر اپنا ایمان برباد نہیں کریں گے، چند ٹکوں کی خاطر اسلام کو بدنام نہیں کریں گے، دنیا کے چھوٹے مفادات کی خاطر اسلام کو داغدار نہیں کریں گے۔ آج ہماری زندگی دیکھ کر لوگ اسلام سے دستبردار ہو رہے ہیں، ہمارا کردار دیکھ کر لوگ اسلام سے دور ہو رہے ہیں۔ تو ایک صورت یہ ہوتی ہے کہ کفر مسلمانوں کو بزور بازو یا ترغیب کے ذریعے کفر کی طرف لے جاتا ہے۔

کفار کا دوسرا حربہ

کفار کا دوسرا حربہ یہ ہوتا ہے کہ ترغیب، لالچ اور امداد کا واسطہ دیا جاتا ہے کہ اتنی امداد تمہیں ملے گی، تمہیں یہ منصب مل جائے گا، تمہیں یہ عہدہ مل جائے گا، تمہیں فلاں فلاں سہولیات مل جائیں گی، تمہیں فلاں ملک کے اندر رہائش مل جائے گی یا فلاں ملک کا ویزہ مل جائے گا۔

بسا اوقات دوسرے ممالک میں جانے کے لئے آدمی جو ویزے لیتا ہے ان میں بعض شرائط اتنی خطرناک ہوتی ہیں کہ خطرہ محسوس ہوتا ہے کہ کہیں یہ آدمی اسلام سے دستبردار تو نہیں ہو گیا۔ اس لئے کہ اسے ویزا جاری کرنے سے پہلے کہا جاتا ہے کہ تم نے ہر حال میں ہماری اتباع کرنی ہے تب ہم ویزا دیں گے۔ وہ آدمی یوں کہتا ہے

کہ ہاں ہم ہر حال میں آپ کی پیروی کریں گے تو اس میں کافر ہو جانے کا خطرہ ہے۔
تو کفار کا دوسرا حربہ مسلمانوں کو فتنے میں ڈالنے کے لئے یہ ہوتا ہے کہ انہیں مختلف ترغیبات، سہولیات، مناصب، عہدوں اور ویزوں کا لالچ دے کر ارتداد کا شکار بنایا جاتا ہے۔

تیسرا حربہ

اہلِ کفر کا تیسرا حربہ یہ ہوتا ہے (اِيقَاعُهُمْ فِي نَوَاقِضِ الْإِسْلَامِ مِنْ حَيْثُ لَا يَشْعُرُوْنَ) کہ مسلمانوں کو غیر شعوری طور پر ایسی چیزوں اور امور و افعال میں مشغول کر دیا جاتا ہے جو اسلامی تعلیمات کے بالکل مخالف ہوتے ہیں، کفر اسلام پر ایسے پوشیدہ حملے کرتا ہے کہ عام طور پر لوگوں کو پتہ ہی نہیں چلتا اور آہستہ آہستہ مسلمانوں کی فکر، سوچ اور عقیدہ بدل جاتا ہے کیونکہ کفار کے اختیار میں دنیا بھر کے ذرائع ابلاغ ہیں، دنیا بھر کی ٹیکنالوجی ہے۔ اس ٹیکنالوجی کے ذریعے وہ مسلمان معاشروں، سوسائٹیز، اداروں اور حکومتوں میں اپنی ارتدادی مہم اس انداز میں چلاتے ہیں کہ مسلمانوں کی عقل اور نظریات میں تبدیلی آنا شروع ہو جاتی ہے اور اسلام کی وہ محکم اور مضبوط بنیادیں جن پر صدیوں سے اتفاق چلا آ رہا ہے، ان کے بارے میں مسلمان شکوک کے اندر مبتلا ہو جاتے ہیں۔ چونکہ ایمان نام ہے یقین کا، اس لئے جہاں شک پیدا ہو جائے وہاں ایمان کی چھٹی ہو جاتی ہے۔

پھر مسلمان کہتا ہے پتہ نہیں قبر کا عذاب ہوگا یا نہیں، پتہ نہیں مرنے کے بعد اٹھیں گے یا نہیں، پتہ نہیں پل صراط ہوگا یا نہیں۔ پتہ نہیں کہ نامۂ اعمال ہوگا بھی کہ

نہیں، عمال کا وزن ہوگا یا نہیں، اگر ہوگا تو کیسے ہوگا؟ پتہ نہیں یہ حدیث صحیح ہے بھی کہ نہیں؟ اتنی صدیوں بعد کیسے صحیح ہو سکتی ہے؟

جیسے اپنے وقت کا ایک بہت بڑا روشن خیال شخص اور اپنی عقل پر بہت زیادہ نازاں شخص تھا، اس کا نام ابوالحکم تھا، جس کا مطلب ہے بہت فیصلے کرنے والا۔ بعد میں اس کا لقب پڑ گیا ابوجہل۔ وہ بھی اپنے آپ کو بہت زیادہ روشن خیال کہتا تھا۔ اس نے صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے کہا کہ: یہ تیرا دوست محمد کیا کہہ رہا ہے کہ میں چند لمحات کے اندر بیت اللہ سے بیت المقدس تک گیا اور پھر بیت المقدس سے آسمانوں پر گیا وہاں جا کر میں نے جنت اور جہنم کو دیکھا اور پھر واپس بیت المقدس آیا اور وہاں سے اپنے گھر آگیا۔ یہ سارا عمل تھوڑے سے عرصے میں چند سیکنڈوں میں وقوع پذیر ہوا۔ کیا یہ کوئی ماننے والی بات ہے؟ کیا یہ بات عقل میں آتی ہے؟ مجھے تو کچھ نہیں آرہی ہے۔ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ اگر محمد ﷺ نے کہا ہے تو پھر بالکل سچ کہا ہے۔ مجھے یا تجھے سمجھ آئے یا نہ آئے، میری اور تیری عقل کے پیمانے پر وہ بات پوری اترے یا نہ اترے، مجھے یا تجھے اس کی حکمتیں سمجھ میں آئیں یا نہ آئیں لیکن اگر یہ بات پیارے رسول ﷺ کی زبان مبارک سے نکلی ہے تو پھر سچی ہے۔

میرے دوستو! یہ ہے یقین۔ یقین اسے کہتے ہیں۔ جنہیں اللہ نے بتا دیا، اللہ کے رسول نے بتا دیا، سب سے بڑی بات تو یہ ہے کہ میرے اللہ نے یہ کہا ہے، میرے نبی ﷺ نے یہ کہا ہے، میں اس کو مانتا ہوں، چاہے ہماری سمجھ میں آئے یا نہ آئے۔ یہ ہے ایمان۔ تو جب کفر کا حملہ ہوتا ہے تو اسلام کی مستحکم اور مضبوط بنیادوں

میں دراڑیں پڑنے لگتی ہیں اور مسلمان انتشار کا شکار ہونے لگتے ہیں۔

چوتھا حربہ

کفار کی جانب سے ارتداد کی طرف لے جانے والا چوتھا حربہ یہ ہے کہ مسلمانوں کو مکمل طور پر لہو ولعب میں مشغول کر دیا جاتا ہے۔لہو ولعب میں اس قدر معروف کر دیا جاتا ہے کہ انہیں اپنے گھر بار،خاندان اور مذہب تک کی فکر نہیں رہتی۔ پہلے صرف مردوں کی ٹیم ہوا کرتی تھی،اب تو عورتوں کی بھی ٹیم ہے۔

وہ ظالم مسلمانوں کے سروں سے کھیل رہے ہیں اور مسلمان ساری زندگی گیند بلے ہی سے کھیل رہا ہے۔مسلمانوں کی اولادیں یہی سمجھ رہی ہیں کہ ترقی اسی میں ہے۔کھیل میں ترقی کر لی تو کامیابی ہی کامیابی ہے۔کفر کی تدبیر یہی ہے کہ اسے خرافات میں لگا دو تاکہ اسے اپنے دین کی فکر ہی ختم ہو جائے،مرد اور عورت دونوں کو لہو ولعب میں لگا دو۔جب کفر کا غلبہ ہونا ہوتا ہے تو پھر اس کی پالیسیاں،اس کے پروگرام مسلمانوں کے معاشرے میں اسی طرح رواج پاتے ہیں۔آج دیکھ لیں کہ مرد تو مرد،عورتیں بھی،نوجوان لڑکے اور لڑکیاں بھی اس لہو ولعب میں مشغول ہیں اور اسے کامیابی کا معیار سمجھ کر دن رات اسی کے غم وفکر میں مبتلا ہیں۔

پانچواں حربہ

مسلمانوں کو مرتد بنانے کے لئے پانچواں حربہ یہ ہے کہ مسلمانوں کی زندگی سے قرآن اور قرآن کا اصل مفہوم ختم کر دیا جائے،اسی لئے یہودیوں نے کہا تھا کہ اگر چاہتے ہو کہ یہودیت کا غلبہ اور تسلط سارے مسلمانوں پر ہو جائے تو پھر ضروری ہے کہ

تم مسلمانوں کے اندر سے قرآن اور قرآن کے صحیح مفہوم کو ختم کردو۔ اب اسی چیز پر عمل کرنے کے لئے ہر سطح پر اپنے وظیفہ خوروں سے کام لے کر اسلام اور مسلمانوں کے خلاف زہر پھیلایا جارہا ہے، مختلف قسم کے لالچ دے کر مسلمانوں کو اپنا دین چھوڑنے پر مجبور کیا جارہا ہے، یہی وجہ ہے کہ جب کفر کا غلبہ ہوتا ہے تو ارتداد پھیلتا ہے اور ارتداد پھیلانے کے لئے کافر مختلف تدابیر اختیار کرتے ہیں۔

ہماری ذمہ داری

آج یہ فتنہ برپا ہے، اس موقع پر آپ کی اور میری ذمہ داری کیا بنتی ہے؟ کیا کرنا ہے؟ علاج کیسے ہو اس کا؟ تو میرے عزیزو! اس کا پہلا علاج تو یہ ہے کہ اپنا محاسبہ کریں کہ میں خود اپنی ذات کے اعتبار سے دین پر کتنا چل رہا ہوں۔

دوسرے نمبر پر یہ کہ میں اسلام کے دفاع، خدمت اور حفاظت و اشاعت کے لئے کتنا وقت دے رہا ہوں، کتنا مال اور کتنی جان لگا رہا ہوں۔ یہ دین صرف مولوی کا نہیں میرا اور آپ کا بھی ہے، صرف پیارے رسول ﷺ کا نہیں ہے، میرا اور آپ کا بھی ہے، وراثتاً ہمیں ملا ہے، لہٰذا ہر مسلمان کی یہ ذمہ داری ہے کہ اسے اس بات کا احساس ہو کہ میں اپنی ذات کے اعتبار سے دین پر کتنا چل رہا ہوں؟ حفاظتِ دین کے لئے میرا مال کتنا لگ رہا ہے؟ میری جان کتنی لگ رہی ہے، میرا وقت کتنا خرچ ہو رہا ہے، میری صلاحیتیں کتنی لگ رہی ہیں۔ اس کا محاسبہ کرنا چاہئے۔

امت کی اجتماعی ذمے داریاں

اس لئے کہ دین کی حفاظت کے لئے پہلی چیز افراد سازی ہے کہ ایسے افراد

تیار کئے جائیں جو دین اور دنیا دونوں کے تعلیم یافتہ اور ماہر ہوں، اچھے ماحول کے اندر عصری علوم پڑھیں۔ دوسری چیز یہ ہے کہ اس دین کو پھیلانے والے ہوں اور تیسری چیز یہ ہے کہ اس دین کی راہ میں جتنی رکاوٹیں ہیں انہیں دور کرنے کے لئے تمام کوششیں عمل میں لائیں۔ اگر طاقت کے لحاظ سے دشمن مقابلے پر آرہا ہے تو اس طاقت کی رکاوٹ کو دور کرنے کے لئے اپنی جان کی بازی لگانے کے لئے تیار ہوں۔ یہ امت کی تین اجتماعی ذمہ داریاں ہیں۔ جب بھی امت کے اندر یہ تینوں چیزیں وجود میں آئیں گی اور مسلمان ان کو زندہ کریں گے تو اللہ پاک اس کا انعام انہیں خلافت کی صورت میں دیں گے۔

﴿ لَيَسْتَخْلِفَنَّهُمْ فِي الْأَرْضِ كَمَا اسْتَخْلَفَ الَّذِينَ مِنْ قَبْلِهِمْ وَلَيُمَكِّنَنَّ لَهُمْ دِينَهُمُ الَّذِي ارْتَضَىٰ لَهُمْ وَلَيُبَدِّلَنَّهُمْ مِنْ بَعْدِ خَوْفِهِمْ أَمْنًا ﴾ (سورۃ النور: ۵۵)

البتہ (اللہ تعالیٰ) انہیں زمین میں حاکم بنادے گا جس طرح ان سے پہلے والوں کو حاکم بنایا تھا۔ اور ان کے لئے ان کا دین مضبوط کردے گا جو ان کے لئے پسند کر دیا گیا اور ان کے ڈر اور خوف کو امن میں بدل دے گا۔

تو میرے عزیزو! کفر کے غلبے کا فتنہ ہے اور اس وقت ہمارے لئے غور و فکر یہ ہے کہ ہم اپنا محاسبہ کریں کہ اس وقت ہم کہاں کھڑے ہیں؟ اور ہماری ذمہ داریاں کیا ہیں؟ ان کا ادراک کرنے کے ساتھ ساتھ ہمارے اوپر لازم ہے کہ ہم قرآن و حدیث کی تعلیمات پر عمل کرکے اس فتنے سے نجات حاصل کرنے کی کوشش کریں۔

✿✿✿✿✿

اہلِ کفر کی ترقی

کفر کی معاشی اور صنعتی ترقی اور ان کو زندگی میں حاصل سہولیات کو دیکھ کر بعض کمزور ایمان والے مسلمان اس ترقی اور سہولیات سے مرعوب ہو جاتے ہیں۔ وہ انہیں خوش قسمت اور کامیاب سمجھنے لگتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کے متعلق ارشاد فرمایا ہے کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ کافروں کی ترقی دیکھ کر سارے کے سارے مسلمان کافر بن جائیں گے تو میں ان (کافروں) کے گھروں کی چھتوں، سیڑھیوں اور سواریوں کو سونے کا بنا دیتا۔

کفار کی ترقی کا فتنہ

اسی طرح ایک اور بڑا فتنہ جس کا آج کے مسلمان شکار ہو چکے ہیں وہ ہے (فتنۃ تفوق الکفار فی امور الدنیا) پہلے جس فتنے کا تذکرہ گزرا وہ تھا کفار کا مسلمانوں پر غلبہ۔ یہ اسی طرح کا فتنہ ہے لیکن نوعیت کے اندر تھوڑا سا فرق ہے۔ (تفوق الکفار فی امور الدنیا) سے مراد یہ ہے کہ دنیا کے اعتبار سے کفار کی ترقی اور فوقیت، یہ بھی ایک بڑا فتنہ ہے۔

جب کافر معیشت، ثقافت، تعلیم اور دیگر شعبوں میں ترقی کرتا ہے تو اسے دیکھ کر بہت سے کمزور ایمان والوں کی رال ٹپکنے لگتی ہے۔ وہ ان کی ظاہری شان و شوکت اور نمود و نمائش دیکھ کر سمجھتے ہیں کہ یہ لوگ بڑے مزے کر رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس فتنے کے متعلق فرمایا ہے کہ اگر یہ اندیشہ نہ ہوتا کہ کافروں کی ترقی دیکھ کر سارے کے سارے مسلمان کافر بن جائیں گے تو میں ان کی چھتوں، سیڑھیوں اور سواریوں کو سونے کا بنا دیتا۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَلَوْلَا أَنْ يَكُونَ النَّاسُ أُمَّةً وَاحِدَةً لَجَعَلْنَا لِمَنْ يَكْفُرُ بِالرَّحْمٰنِ لِبُيُوتِهِمْ سُقُفًا مِنْ فِضَّةٍ وَمَعَارِجَ عَلَيْهَا يَظْهَرُونَ وَلِبُيُوتِهِمْ أَبْوَابًا وَسُرُرًا عَلَيْهَا يَتَّكِئُونَ وَزُخْرُفًا﴾ (سورۃ الزخرف ۳۳،۳۴)

اور اگر یہ بات نہ ہوتی کہ سب لوگ ایک دین پر ہو جائیں گے تو ہم ان لوگوں

کو جو اللہ کے منکر ہیں ان کے گھروں کے لئے چاندی کی چھت اور (چاندی کی) سیڑھیاں بنادیتے جن پر وہ لوگ چڑھا کرتے، اور ان کے گھروں کے دروازے اور تخت (جن پر وہ تکیہ لگا کر بیٹھا کرتے) سونے کے بنا دیتا۔

یہ بھی ایک فتنہ ہے کہ کفار کی ترقی دیکھ کر بہت سارے لوگ مرعوب ہو جاتے ہیں۔ ارے! ان کو دیکھو تو سہی! اتنا پیسہ ہے ان کے پاس، اتنی دولت ہے، ہر مارکیٹ تک ان کی رسائی ہے، تمام چیزوں کے اندر یہ ہم سے آگے ہیں، تعلیم میں، ثقافت میں، تجارت میں، معیشت میں، میڈیکل میں، غرض ہر چیز میں یہ آگے ہیں۔ ذرا دیکھو تو سہی! اللہ کے منکر اور نافرمان ہوتے ہوئے بھی ساری نعمتیں انہیں حاصل ہیں۔

اللہ پاک نے قرآن کریم میں مثال پیش کرتے ہوئے ایک عجیب منظر دکھایا ہے کہ اللہ کے دین کا ایک دشمن، جس کے پاس بہت اعلیٰ سواری تھی، لباس بھی بہت اچھا تھا، آگے پیچھے نوکر چاکر بھی تھے، سونے کا تاج بھی اس کے سر پر تھا۔ اس حالت میں وہ اپنی پوری شان و شوکت کے ساتھ باہر نکلا تو اسے دیکھنے والے کمزور عقیدہ لوگوں نے کیا تمنا اور آرزو کی؟

قرآن نے اس منظر کا نقشہ اور کمزور عقیدہ لوگوں کی تمنا کو یوں بیان کیا ہے:

﴿فَخَرَجَ عَلٰى قَوْمِهٖ فِيْ زِيْنَتِهٖ قَالَ الَّذِيْنَ يُرِيْدُوْنَ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا يٰلَيْتَ لَنَا مِثْلَ مَآ اُوْتِيَ قَارُوْنُ اِنَّهٗ لَذُوْ حَظٍّ عَظِيْمٍ﴾

(سورۃ القصص:۷۹)

پھر (قارون) اپنی قوم کے سامنے ٹھاٹھ باٹھ سے نکلا۔ جو لوگ دنیا کی زندگی کے طالب تھے وہ کہنے لگے کہ اے کاش ہمیں بھی وہ سب کچھ ملے جیسا قارون کو ملا ہے، بے شک وہ بڑی قسمت والا ہے۔

کچھ کمزور قسم کے لوگ آخرت کو فراموش کر دینے والے، اللہ کی طاقت سے ناآشنا، حقیقی کامیابی سے ناواقف، حقیقی سعادت سے ناآشنا لوگ اسے دیکھ کر کہنے لگے کہ ارے قارون تو تو بڑا نصیب والا ہے، کیا سواری ہے! کیا دولت ہے! کیا نوکر چاکر ہیں! کیا زرق برق لباس ہے۔ ارے بھائی! قارون کے تو بڑے مزے ہیں، بڑا اچھی قسمت والا ہے۔ اس کی دنیاوی شان و شوکت دیکھ کر، اس زرق برق دنیا سے وہ متاثر ہوگئے، مرعوب ہوگئے۔

اس لئے میرے عزیزو! کفار کی ترقی بھی ایک فتنہ ہے اسے دیکھ کر بہت سارے لوگ اپنا ایمان کھو بیٹھتے ہیں۔ اور جب یہ لوگ متاثر ہو جاتے ہیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ یہ سارے لوگ ان کے ملک میں تفریح، سیاحت اور وہاں کی زندگی کی چمک دمک دیکھنے کے لئے جاتے ہیں۔ انہیں ان ملکوں کی تہذیب اچھی لگتی ہے، ان کی چیزیں اچھی لگتی ہیں لہٰذا وہاں سیر و تفریح کرنے جاتے ہیں۔

مرعوبیت کا نتیجہ

انسان جب کسی سے مرعوب ہو جاتا ہے تو اس کی نقالی شروع کر دیتا ہے، اسی طرح جب مسلمان اہلِ کفر سے مرعوب ہو جاتا ہے تو اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ مسلمان اپنی اولادوں کے نام ان کے ناموں پر رکھنے لگ جاتا ہے، ان کی خصوصیت کو اپنانے لگتا ہے، ان کے طور طریقے اختیار کرنے لگتا ہے، ان کے تہوار منانے لگ جاتا ہے، اس لئے کہ جب تک آدمی کسی سے مرعوب نہ ہو اور اس کی عظمت اور ہیبت اس کے دل میں نہ ہو تو یہ چیزیں اختیار نہیں کی جاتیں۔

کوئی آدمی کبھی بھی بھنگیوں کا لباس نہیں پہنے گا، چونکہ اس کی شکل اختیار نہیں کرے گا اس لئے کہ ان کی چاہت اور عظمت اس کے دل میں نہیں ہوتی اسی لئے وہ ان کے لباس کو پسند نہیں کرتا۔

جب تک آدمی کسی تہذیب سے مرعوب نہ ہو، اس تہذیب کی عظمت اس کے دل میں نہ ہو، اس وقت تک وہ اس تہذیب و ثقافت کے طور طریقے اختیار نہیں کرتا۔ جب اہلِ کفر ترقی کرتے ہیں تو ان کی ہر چیز بھانے لگتی ہے، اچھی لگنے لگتی ہے، ان میں ایک کشش اور شان محسوس ہونے لگتی ہے۔ پھر مسلمان ان کے نام، ان کی علامات، ان کے شعائر، ان کے طور طریقے، ان کا رہن سہن اور ان کا خوشی منانے کا انداز اختیار کرنے لگتا ہے۔

آج مسلمان ہندوؤں کے طریقے کیوں اختیار کرتا ہے؟ اچھے لگتے ہیں نا تب ہی تو اپنے دولہے کو ہندوؤں جیسی پگڑی (سہرا) پہناتے ہیں۔ اپنے نبی ﷺ کی پگڑی نہیں پہناتے۔ دولہا بھی ساری زندگی نبی ﷺ کی پگڑی نہیں پہنتا لیکن شادی کے موقع پر ہندوؤں کی رسموں کے مطابق پگڑی پہن لیتا ہے۔ اچھی جو لگتی ہے نا۔ اس لئے کہ ہندوؤں سے مرعوب جو ہیں۔

مسلمان جب اہلِ کفر کی ترقی سے متاثر ہوتا ہے تو پھر ایک اور چیز بھی اس کی زندگی میں ظاہر ہوتی ہے، اور وہ یہ کہ مسلمان ان غیر مسلموں کی تحقیقات اور ریسرچ پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتا ہے، چاہے وہ کتنا بڑا جھوٹ ہی کیوں نہ ہو۔ کہتا ہے کہ بھائی! مغرب نے یوں کہا ہے، یورپ نے یوں کہا ہے، فلاں غیر مسلم

کی یہی تحقیق ہے، ان کی تحقیق ہے اور اس پر اسے اعتماد ہے اس لئے کہ ان کے نظام تعلیم سے یہ متاثر ہو چکا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں کتنا ہی اچھا ڈاکٹر کیوں موجود نہ ہو مگر یہ لوگ علاج کرانے کے لئے مغربی ممالک کا ہی رخ کرتے ہیں، وہ کھال بھی اتارتے ہیں اور پیسے بھی خوب لیتے ہیں اور یہ فی خوشی انہیں لاکھوں کروڑوں روپے دے کر خوشی محسوس کرتے ہیں۔ یہ مرعوبیت کی انتہا ہے۔

دشمن کا نظامِ تعلیم

دشمن نے ہمیں جو نظامِ تعلیم دیا ہے اس کے اندر ساری تعلیم ہی اسی نکتے کے گرد گھومتی ہے کہ مغرب بہت اونچا ہے، بہت ترقی یافتہ ہے حالانکہ اگر آپ خودکشیوں کی اوسط دیکھیں تو وہ آپ کے ملک کے اندر کم ہے، مغرب میں زیادہ ہے، اخلاقی انحطاط ان کے ہاں زیادہ ہے، ان کے ہاں طلاق کی شرح انتہائی بلند سطح پر ہے، برداشت اور تحمل مزاجی ان کی سرشت میں نہیں ہے۔ آپ کے ملک میں نفسیاتی مریض کم ہیں، امریکہ میں زیادہ ہیں۔ آپ کے ملک میں جرائم کی اوسط کم ہے، امریکہ میں اس سے زیادہ ہے۔ لیکن آپ کی کمزوریاں ساری دنیا کا میڈیا دکھائے گا اور ان کی گندگیاں اور کمزوریاں دنیا کے سامنے نہیں لائے گا، اس لئے کہ اصل مقصد آپ کو مرعوب کرنا ہے، متاثر کرنا ہے، دباؤ میں لانا ہے ورنہ آپ وہاں سیر و تفریح کرنے کیسے جائیں گے؟ علاج کے نام پر لاکھوں کروڑوں انہیں کیسے دیں گے؟ تعلیم کے نام پر اربوں روپیہ ان کی جھولی میں کیسے ڈالیں گے؟

مسلمانوں کو مرعوب کیا گیا ہے تاکہ مسلمان تعلیم کے نام پر کروڑوں روپیہ

انہیں دے دیں، تفریح کے نام پر لاکھوں کروڑوں ڈالر ان کے ملک میں جا کر خرچ کر دیں۔

تو میرے دوستو! جب مسلمان غیروں سے مرعوب ہو جاتا ہے، کافروں سے مرعوب ہو جاتا ہے، اہلِ کفر کی ترقی سے مرعوب ہو جاتا ہے تو ان کی تحقیقات پر آنکھیں بند کر کے اعتماد کرتا ہے۔ جی ہاں جناب! C.N.N سے یہ خبر آئی ہے۔ B.B.C سے یہ خبر آئی ہے چاہے وہ کتنا بڑا جھوٹ ہی کیوں نہ ہو مگر مسلمان اسے ہی سچ سمجھتا ہے۔

دین کے معاملے میں کافروں پر اعتماد

اب تو بدقسمتی کی انتہا ہو گئی ہے کہ دنیاوی امور کے علاوہ دینی امور میں بھی صرف انہی پر اعتماد کیا جا رہا ہے۔ کوئی شخص وہاں سے تعلیم حاصل کر کے آئے خصوصاً اسلامی علوم کی تعلیم تو اس کی بڑی آؤ بھگت کی جاتی ہے، بڑی واہ واہ کی جاتی ہے کہ اس نے فلاں مغربی یونیورسٹی سے اسلامی علوم میں ڈگری حاصل کی ہے۔ ارے! عیسائی نے اسے اسلامی ڈگری دی ہے، اس کے قرآن کے علوم پر عیسائی نے اعتماد کیا ہے۔ سبحان اللہ! مرعوبیت کی انتہا ہے۔ تو دنیا کے امور میں بھی ان پر اعتماد اور دین کے امور میں بھی ان پر اعتماد، یہ کفار کی ترقی سے متاثر ہونے کی علامت ہے۔

غیر ملکی مصنوعات کا استعمال

کفر کی ترقی سے متاثر ہونے کی چوتھی علامت اس کی زندگی میں یہ ظاہر ہوتی ہے کہ غیر ملکی مصنوعات کا استعمال بڑھ جاتا ہے۔ اپنے ملک کی بنی ہوئی چیز حتی

ہی اچھی ہی کیوں نہ ہو۔ پھر بھی مکین کہتا ہے کہ میڈ ان جاپان (Made in Japan) ہونی چاہئے، امریکہ کی بنی ہوئی ہونی چاہئے حالانکہ یہاں کی چیز اچھی ہوگی، دیسی چیز اچھی ہوگی لیکن کہے گا کہ یہ تو لوکل چیز ہے، برادری والے آئیں گے تو کیا کہیں گے؟ لوگ جب دیکھنے کے لئے آئیں گے تو کیا کہیں گے؟ اس لئے سب چیزیں باہر کی ہونی چاہئیں، دبئی جائیں گے، شاپنگ وہاں سے کریں گے تاکہ پتہ چلے کہ اس نے وہاں سے مال لایا ہے۔ بیٹی کا جہیز بھی وہیں سے لایا ہے اور جاتے ہوئے بتا کے بھی جاتے ہیں کہ ہم ذرا شاپنگ کرنے کے لئے دبئی جا رہے ہیں حالانکہ وہ چیز یہیں مل رہی ہوتی۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ بدقسمتی ہمارے تاجروں کی بھی ہے کہ خیانت عام ہو گئی ہے، جھوٹ عام ہو گیا ہے، نقل عام ہو گئی ہے لیکن میرے عزیزو! پھر بھی بہت ساری چیزیں ایسی ہیں جو اصل اور اچھی ملتی ہیں لیکن مرعوبیت کی وجہ سے انہیں استعمال نہیں کیا جاتا۔

وہی لباس ہے جو آپ کے ملک سے بن کر جا رہا ہے، روئی آپ کے ملک سے جا رہی ہے لیکن یہ سب جانتے ہوئے بھی سر پر یہ دھن سوار ہے کہ بس کپڑا باہر کا لینا ہے، نام ہونا چاہئے کہ وہاں سے آیا ہے۔ اور بہت سارے تو ایسے ہیں کہ چیز یہاں سے لے کر جاتے ہیں اور وہاں سے مہر لگوا کر واپس پاکستان میں لا کر بیچ دیتے ہیں۔ لینے والے خوش ہوتے ہیں کہ وہاں سے آئی ہے حالانکہ چیز یہیں کی ہوتی ہے صرف مہر باہر کی ہوتی ہے۔ وہ صرف اپنا ٹھپہ لگانے کے اربوں ڈالر وصول کرتے ہیں۔ دنیا کے بہت سے ممالک میں ہمارا چاول استعمال ہوتا ہے لیکن اس چاول پر

انڈیا کی مہر لگ جاتی ہے حالانکہ وہ پاکستان سے جا رہا ہوتا ہے۔

کیسی بد نصیبی ہے؟ کیا مرعوبیت ہے؟ یہ مسلمان کو کیا ہو گیا ہے کہ غیروں سے اتنا متاثر ہو گیا ہے کہ الامان والحفیظ۔

تو میرے عزیزو! کفر کی ترقی بھی ایک مستقل فتنہ ہے اور اس کے نتیجے میں یہ ساری چیزیں زندگی میں پیش آتی ہیں۔ عموماً سارے مسلمان اور خصوصاً وہ طبقہ جو بڑے اداروں میں پڑھتا ہے، جن کی تعلیم مغربی تہذیب کے پس منظر میں ہوتی ہے، ان کی نسلیں مغرب سے مرعوب ہوتی ہیں۔ انہیں پھر یہاں کی بات ہی اچھی نہیں لگتی، یہاں کا رہن سہن ہی اچھا نہیں لگتا، یہاں کی تعلیم ہی اچھی نہیں لگتی، یہاں کی چیزیں ہی اچھی نہیں لگتیں۔ پھر انہیں یہاں کی ہر چیز میں خامیاں نظر آنے لگتی ہیں اور وہاں کی ہر چیز میں خوبیاں نظر آنا شروع ہو جاتی ہیں۔

مرعوبیت کے فتنے کا علاج

اللہ رب العزت نے اس مرعوبیت کے فتنے سے بچانے کے لئے قرآن کریم میں بیسیوں آیات بھیجی ہیں کہ دنیا کی یہ زرق برق ترقی، یہ بلند و بالا عمارتیں، اچھی سڑکیں، اچھی طبی سہولیات، اچھی اور اعلیٰ تعلیم، معاشی و اقتصادی ترقی، تہذیبی و ثقافتی ترقی یہ سب دنیا وی حربے ہیں، ان سے مرعوب اور متاثر نہیں ہونا چاہیے۔ ارشادِ خداوندی ہے:

﴿لَا يَغُرَّنَّكَ تَقَلُّبُ الَّذِينَ كَفَرُوا فِي الْبِلَادِ مَتَاعٌ قَلِيلٌ ثُمَّ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ﴾ (سورہ آل عمران:۱۹۶)

آپ کو کافروں کی شہروں میں چلت پھرت (شان و شوکت) دھوکے میں نہ

اس لئے یہ (دنیاوی فائدہ، دنیاوی شان و شوکت) تو تھوڑی سی ہے، پھر ان کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اس آیت میں پہلے نبی سے خطاب ہے، پھر اسی ضمن میں مسلمانوں سے خطاب ہے کہ اے ایمان والو! تمہیں کافروں کی یہ ترقی دھوکے میں نہ ڈال دے، یہ بہت تھوڑا سا سامان ہے، بہت عارضی ہے، فانی ہے، جلدی ختم ہو جائے گا۔

تو میرے عزیزو! اصل عزت یہ نہیں ہے بلکہ اصل عزت تو ایمان کی دولت کی وجہ سے ملنے والی عزت ہے، اس عزت کا مقابلہ دنیا کی کوئی بھی عزت نہیں کرسکتی، آپ کے پاس اسلام اور ایمان کا جو سرمایہ ہے، جو دولت ہے، اس کے مقابلے میں دنیا کی ساری دولتیں رائی کے دانے کی حیثیت بھی نہیں رکھتیں۔

ایمان کی دولت پر فخر کریں

تو میرے عزیزو! اللہ نے ہمیں ایمان کی دولت دی ہے تو ہم اس کو عزت سمجھیں، اس پر فخر کریں۔ ہم کافروں سے کیوں مرعوب ہوں، جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ

﴿أُولَٰئِكَ كَالْأَنْعَامِ﴾ (الأعراف: ۱۷۹)

وہ لوگ (تو) جانوروں کی مانند ہیں۔

وہ تو جانور ہیں، جانوروں کی طرح کھانا، پینا اور بچے پیدا کرنا ان کا کام ہے۔ انہیں زندگی کا مقصد ہی نہیں معلوم ہے کہ انہیں کیوں پیدا کیا گیا ہے اور مرنے کے بعد انہوں نے کہاں جانا ہے؟ یہ تو جانوروں سے بھی زیادہ گرے ہوئے ہیں۔ جانوروں میں بھی کچھ اچھے جانور ہوتے ہیں، یہ تو جانوروں میں سے بھی بدترین قسم کے

جانور ہیں، بڑے بڑے ننگے بے حیا ہیں اور ہم ہیں کہ ان سے متاثر ہیں۔

میرے عزیزو! کیا کوئی آدمی ناقص علم وعقل والے شخص کی پیروی کرتے ہوئے ترقی کرسکتا ہے؟ نہیں کرسکتا۔ درحقیقت کفر کی تعلیم میں، کفر کی زندگی میں کائنات کا پورا علم ہے ہی نہیں، ان کے پاس تو آدھا علم ہے اور آدھا علم بھی وہ جس کا تعلق صرف اس دنیا سے ہے، صرف زندگی گزارنے اور مرنے کی حد تک کا علم ہے۔ اخروی زندگی کا علم ان کے پاس نہیں ہے۔

مسلمانوں کے پاس علم کامل ہے

مسلمانوں کے پاس علم کامل ہے یہاں (دنیا) کا بھی، وہاں (آخرت) کا بھی، مرنے سے پہلے کا بھی مرنے کے بعد کا بھی۔

اس کائنات کا پورا علم یہ ہے کہ یہاں سے وہاں جانا ہے۔ یہ سفر ہے، دو منزل ہے۔ یہاں (دنیا) کے لئے بھی محنت کرنی ہے اور وہاں (آخرت) کے لئے بھی کوشش کرنی ہے۔ کافروں کا تو علم ہی ناقص ہے، ان کی تو تہذیب ہی ناقص ہے، ان کا نظام ہی ناقص ہے، وہ تو زیادہ سے زیادہ تھوڑی سی زندگی کے بارے میں ہماری رہنمائی کر سکتے ہیں، ایسی ناقص تہذیب اور علم کے دائرہ میں رہ کر انسان اپنی زندگی کے فرائض اور ذمہ داریوں سے مکمل انصاف نہیں کر سکتا۔ ہاں! پیٹ تو ضرور بھر سکتا ہے، حیوان کر سکتا ہے اس لئے کہ حیوان اور جانور کو مرنے کے بعد کی زندگی نہیں گزارنی ہوتی، وہ تو مٹی کر دیا جاتا ہے تو آدھے علم پر چل کر آدمی گڑھے میں گرے گا، برباد ہوگا۔ درحقیقت انسان نے آخرت میں بھی زندگی گزارنی ہے۔ بیچ اپنے

اعمال کے مطابق جنت میں یا جہنم میں زندگی گزارنی ہے۔ اس لئے انسان تو تب ہی کامیاب ہوگا جب اس کے پاس یہاں کا بھی علم ہوگا اور وہاں کا بھی علم ہوگا۔ اسی لئے اللہ کا ارشاد ہے:

﴿یَعْلَمُوْنَ ظَاهِرًا مِّنَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا وَهُمْ عَنِ الْاٰخِرَةِ هُمْ غٰفِلُوْنَ﴾ (سورۃ الروم:۷)

وہ صرف دنیاوی زندگی کی (ظاہری زرق برق) جانتے ہیں اور آخرت (کی تیاری) سے غافل ہیں۔

﴿وَلَا تَمُدَّنَّ عَیْنَیْكَ اِلٰى مَا مَتَّعْنَا بِهٖۤ اَزْوَاجًا مِّنْهُمْ زَهْرَةَ الْحَیٰوةِ الدُّنْیَا﴾ (سورۃ طٰہٰ:۱۳۱)

اور آپ کبھی نگاہیں اٹھا کر بھی ان کو عطا کی گئی دنیاوی نعمتوں (شان و شوکت) کی طرف نہ دیکھئے گا۔ (یہ تو صرف دنیا کی رونق ہے اور کچھ نہیں ہے۔)

حضور ﷺ کے پاس حضرت عمر ؓ تشریف لائے۔ آپ ﷺ ایک چٹائی پر سو رہے تھے جب آپ ﷺ بیدار ہوئے اور اٹھ کر بیٹھے تو اس چٹائی کے نشانات آپ کے جسم پر پڑ گئے تھے۔ حضرت عمر ؓ نے جب آپ کی یہ حالت دیکھی تو ان کی آنکھوں سے آنسو آ گئے۔ حضور ﷺ نے دریافت کیا کہ اے عمر! کیوں رو رہے ہو؟ تمہیں کس چیز نے رلا دیا؟ آپ ؓ نے کہا: یا رسول اللہ! یہ قیصر و کسریٰ اللہ کے دشمن ہیں اور ایسی مزے کی زندگی گزار رہے ہیں، آسائش اور آرام کا ہر سامان ان کے پاس موجود ہے اور آپ ﷺ اللہ کی مخلوق میں سب سے اعلیٰ اور افضل ہیں اور آپ ﷺ کا یہ حال ہے کہ آپ ایسی چٹائی پر سوتے ہیں جس کے نشانات آپ کے جسم اطہر پر پڑ جاتے ہیں۔ ہمارے رسول ﷺ نے فرمایا:

" أُولٰئِکَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي حَيَاتِهِمُ الدُّنْيَا "

(مستدرک حاکم ج ۲ ص ۱۰۴)

یہ وہ لوگ ہیں کہ اللہ نے ان کی سہولت کا معاملہ جلدی کر دیا ہے۔ (ان کی نیکیوں کا بدلہ دنیا میں ہی دے دیا ہے، آخرت میں ان کا کوئی حصہ نہیں ہے)

ارے میرے عزیزو! اگر ایمان سلامت ہے تو پھر جھونپڑی بھی اچھی ہے، روکھی سوکھی بھی اچھی ہے، ساگ اور دال سے بھی گزارا چل جائے گا اور اگر خدا نخواستہ ایمان کا سرمایہ ہی نہ ہو تو پھر چاہے لاکھوں ہوں، اربوں ہوں، چاہے ساری دنیا اس کے قدموں میں ہو، سر پر تاج شاہی ہی کیوں نہ ہو تب بھی اس سے بدترین اور بدنصیب انسان کوئی نہیں ہے۔ اس لئے اللہ رب العزت نے فرمایا:

﴿ أَيَحْسَبُونَ أَنَّمَا نُمِدُّهُمْ بِهِ مِنْ مَالٍ وَبَنِينَ نُسَارِعُ لَهُمْ فِي الْخَيْرَاتِ ﴾ (سورۃ المومنون: ۵۵، ۵۶)

کیا وہ لوگ (کافر) یہ گمان کرتے ہیں کہ ہم نے انہیں مال و اولاد کی صورت میں جو نعمت (ترقی) دی ہے تو کیا ہم نے ان کے ساتھ بھلائی کی ہے؟ (نہیں ہرگز نہیں) ہم تو ان کے ساتھ جلدی جلدی اچھائیاں کر رہے ہیں (درحقیقت انہیں ڈھیل دے رہے ہیں۔ ہماری پکڑ بڑی سخت ہے اور انہیں پتہ ہی نہیں ہے۔)

ایک اور جگہ ارشاد ہے:

﴿ فَلَمَّا نَسُوا مَا ذُكِّرُوا بِهِ فَتَحْنَا عَلَيْهِمْ أَبْوَابَ كُلِّ شَيْءٍ ﴾

(سورۃ الانعام: ۴۴)

جب وہ بھول گئے اس چیز (بات) کو جس کی انہیں نصیحت کی گئی تھی تو ہم نے ان پر ہر چیز کے دروازے کھول دیے (تاکہ وہ دنیاوی نعمتوں کا خوب مزہ

لے لیں۔)

جب انہوں نے ہمارے خلاف بغاوت اختیار کی تو ہم نے ان کے لئے ہر قسم کے دروازے کھول دیئے۔ خوب کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں، عیاشیاں کر رہے ہیں۔ اور آخرت کا انہیں کوئی پرواہ ہی نہیں ہے۔

کافر دو چیزوں سے محروم ہوتا ہے

علماء نے لکھا ہے کہ کافر دو چیزوں سے محروم ہوتا ہے۔ ایک تو اطمینان قلب سے محروم ہوتا ہے اور دوسرا برکت سے محروم ہوتا ہے۔

نافرمان اور کافر کے لئے اللہ تعالیٰ ہر قسم کی نعمتوں کے دروازے کھول دیتا ہے۔ وہ دنیا میں خوب ترقی کرتا ہے، پیسہ، مال، گاڑی، کوٹھی سب کچھ اس کے پاس ہوتا ہے لیکن ان سب کے باوجود دو چیزیں پھر بھی اس کے پاس نہیں ہوتیں۔ ایک اطمینان قلب، دوسرا برکت۔

یہ دونوں نعمتیں اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو دیتا ہے۔ فقیری کے اندر بھی دیتا ہے، امیری کے اندر بھی دیتا ہے، جھونپڑی کے اندر بھی دیتا ہے، روکھی سوکھی کے اندر بھی دیتا ہے اس لئے کہ یہ ایمان سے وابستہ ہے۔ جتنا بڑا یا اور عمل ایمان ہوگا اتنا ہی اس کی زندگی میں سکون ہوگا، برکت ہوگی۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

﴿أَلَا بِذِكْرِ اللَّهِ تَطْمَئِنُّ الْقُلُوبُ﴾ (سورۃ الرعد: ۲۸)

(سنو! خبردار) اللہ پاک کی یاد سے ہی دل چین پاتے ہیں۔

﴿وَلَوْ أَنَّ أَهْلَ الْقُرَىٰ آمَنُوا وَاتَّقَوْا لَفَتَحْنَا عَلَيْهِم بَرَكَاتٍ مِّنَ السَّمَاءِ وَالْأَرْضِ﴾ (سورۃ الاعراف: ۹۶)

اور اگر بستیوں والے ایمان لاتے اور پرہیزگاری کرتے تو ہم ان پر آسمان
اور زمین کی نعمتیں کھول دیتے۔ (نعمتوں کی بارش کر دیتے۔)

یہ نعمتیں تو ایمان والوں کو نصیب ہوں گی۔

تو میرے عزیزو! کفر کی ترقی بھی فتنے میں ڈال دیا کرتی ہے۔ اگر ایمان راسخ نہ ہو، ایمان کی قیمت کا پتہ نہ ہو، آخرت کی منزل نظروں سے اوجھل ہو جائے، مرنے کی فکر دل سے غائب ہو جائے تو پھر آدمی کافروں کی ترقی سے مرعوب ہو کر رال ٹپکانے لگتا ہے۔

عبرت انگیز واقعہ

اس سلسلے میں ایک انتہائی عبرت انگیز واقعہ کتابوں میں لکھا ہے کہ ایک آدمی کا انتقال ہو گیا۔ لوگوں نے قبرستان لے جا کر دفنا دیا۔ چھ ماہ بعد کسی وجہ سے اس کی قبر کو کھولا گیا تو معلوم ہوا کہ اس کا حال تو بہت برا ہے۔ اس کے گھر والوں سے پوچھا گیا کہ بھئی یہ تو بڑا نمازی تھا، حاجی بھی تھا۔ اس کا یہ حال کیوں ہوا؟ کیسے ہو گیا؟

اس کی بیوی نے بتایا کہ میں نے اپنے میاں کے اندر ایک غلطی یہ دیکھی تھی کہ وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے بعد جب غسل کرنے کی نوبت آتی تو یہ کہا کرتا تھا کہ عیسائیوں کا یہ طریقہ بہت اچھا ہے کہ ان کے ہاں وظیفۂ زوجیت ادا کرنے کے بعد غسل کرنا ضروری نہیں ہے۔ جب بھی اسے غسل کی ضرورت ہوتی تو یہ اپنی زبان سے یہی جملہ کہا کرتا تھا۔ اب جیسا اس کے دل کا منشا تھا اللہ نے مرنے کے بعد بھی اس کے ساتھ ویسا ہی معاملہ کر دیا۔ عذاب میں مبتلا کر دیا۔

اس لئے کافروں کے طریقے پسند کرنے اور ان کی چیزوں کو پسند کرنے میں ایمان کے لئے خطرہ ہے، ایسا نہ ہو کہ ایمان کی اس ناقدری کی وجہ سے اللہ تعالیٰ ہمارا خاتمہ برائی پر کردے۔ اللہ تعالیٰ نے ایک عظیم الشان نعمت اسلام اور ایمان کی صورت میں دی ہے، ہمیں چاہئے کہ ہم اس کی قدردانی کریں۔

دنیا کوئی چیز نہیں ہے۔ ہاں اس کے لئے جائز حد تک کوشش ضرور کریں، اللہ پاک دے دیں تو اس کا شکر ادا کریں، نہ دیں تو کافروں کی ترقی سے کبھی بھی مرعوب نہ ہوں۔

آپ کے پاس ایمان کا انمول خزانہ ہے اس کے مقابلے میں کوئی خزانہ نہیں ہے یہ سب سے قیمتی دولت ہے اس لئے اس کی قدردانی کریں تا کہ اس فتنے سے محفوظ رہ سکیں۔

❁❁❁❁❁

کفار سے دوستی کا فتنہ

اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ اپنی برادری سے دلی محبت ہونی چاہئے ، اپنے مسلمانوں سے دلی محبت ہونی چاہئے اس لئے کہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں ، ان کے ساتھ تمہارا اسلامی رشتہ ہے لہٰذا تمہارے درمیان اسلامی اخوت کا رشتہ مضبوط سے مضبوط تر ہونا چاہئے ۔ اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں کو اپنے دشمنوں سے دوستی کرنے سے منع کیا ہے ۔ عقلاً بھی کوئی عاقل آدمی جانتے بوجھتے اپنے دشمن سے کبھی دوستی نہیں کرسکتا ۔

کفار سے دوستی کا فتنہ

ایک اور بڑا فتنہ جس کا شکار موجودہ دور کے مسلمان ہو چکے ہیں وہ (فتنۃ موالاۃ الکفار) ہے یعنی کافروں سے دوستیاں اور روابط رکھنے کا فتنہ۔

انسانوں کی خدائی تقسیم

اللہ پاک نے دو قومیں بنائی ہیں۔

﴿هُوَ الَّذِي خَلَقَكُمْ فَمِنكُمْ كَافِرٌ وَمِنكُم مُّؤْمِنٌ﴾ (سورۃ تغابن، ۲)

وہی ہے جس نے تم کو بنایا پھر تم میں سے کوئی انکار کرنے والا بنا اور کوئی ایمان لانے والا۔

اللہ پاک کی تقسیم کے مطابق انسانوں میں دو قسم کے افراد ہیں، ایک ایمان والے اور دوسرے کافر ہیں۔ دنیا بھر کے مسلمان آپس میں ایک برادری کی طرح ہیں، ایک کنبے کی طرح ہیں۔ ایک جسم کی مانند ہیں۔

انسانوں کی صرف یہی دو قسمیں ہیں۔ مومن اور کافر۔ تقسیم تو دو قسموں پر تھی لیکن بدقسمتی سے ایمان والوں نے آپس میں نہ جانے کتنی قسمیں بنائی ہیں۔ پنجابی، پٹھان، بلوچ، مہاجر اور نہ جانے کیا کیا۔ پھر برادریوں میں اختلاف، میمن برادری، سوداگر برادری وغیرہ وغیرہ۔ سب ٹکڑوں میں تقسیم ہو گئے ہیں اور جو بھی

تقسیم بھی اسے فراموش کر دیا ہے اب مسلمان کا تو یہ حال ہے کہ آغا خانی بھی اس کا دوست بن رہا ہے، ہندو بھی اس کا دوست بن رہا ہے، عیسائی بھی اس کا دوست بن رہا ہے، فلاں بھی اس کا دوست بن رہا ہے اور یہ ایمان والا چونکہ دوسری برادری کا ہے، دوسری قوم کا ہے، پنجابی ہے، پٹھان ہے، دشمن ہے اس لئے اس سے دوستی کے لئے تیار نہیں ہے۔ (العیاذ باللہ)

تو میرے عزیزو! اصل میں انسانوں کی دو قسمیں ہیں مومن انسان اور کافر انسان۔ قومیں، خاندان اور برادریاں یہ صرف تعارف کے لئے ہیں، پہچان کے لئے ہیں تاکہ ایک دوسرے میں آپس میں پہچان ہو سکے ورنہ اصل تقسیم صرف دو قسموں پر ہے۔ دنیا بھر کے مسلمان اور ایمان والے ایک دوسرے کے بھائی ہیں، برادری کا حصہ ہیں۔ اب تو بدقسمتی یہ ہے کہ اگر مسلمان کوئی رفاہی کام بھی کرتے ہیں تو وہ بھی اپنی برادری کا۔ ارے! تیری برادری میں تو تمام مسلمان شامل ہیں۔ تیری خدمت تو سارے مسلمانوں کے لئے ہونی چاہئیں نہ کہ صرف اپنی برادری کے لئے۔ اگر ہر کوئی اپنی برادری کے لئے کام کرے گا تو آہستہ آہستہ یہی چیز انتشار اور اختلافات کا سبب بن جائے گی۔ یہیں سے عصبیت پیدا ہوتی ہے جس سے قومیں تقسیم ہو جاتی ہیں تو اصل تقسیم ایمان اور کفر کی بنیاد پر ہے۔ قرآن نے بس یہی دو قسمیں بیان کی ہیں۔

اس لئے اللہ رب العزت نے فرمایا ہے کہ اپنی برادری سے قلبی محبت ہو اپنے مسلمانوں سے قلبی محبت ہو اس لئے کہ وہ تمہارے دینی بھائی ہیں، ان کے ساتھ تمہارا اسلامی رشتہ ہے۔ تمہارے اندر اخوت اسلامی کا رشتہ مضبوط ہے

مضبوط تر ہونا چاہئے۔ قرآن کریم نے ایمان والوں کی نشانی یہ بتائی ہے کہ وہ آپس میں نرم خو ہوتے ہیں۔

انصار کا ایثار

جب مہاجرین مکہ سے ہجرت کر کے مدینہ آئے تو بے سرو سامان تھے، ان کے پاس ضروریات زندگی کی چیزیں نہ ہونے کے برابر تھیں، اور یہ مہاجرین مدینہ والوں (انصار) کے کوئی خاندانی رشتہ دار نہیں تھے، ان کے درمیان کوئی خونی رشتہ بھی نہیں تھا، نسبی رشتہ بھی نہیں تھا، قومی رشتہ بھی نہیں تھا بلکہ صرف اور صرف دین کی بنیاد پر اسلامی رشتہ تھا۔ اب چونکہ اسلامی رشتہ وہاں مضبوط تھا تو انصار نے مہاجرین سے کہا کہ ہماری دو دو، تین تین بیویاں ہیں۔ آپ لوگ یہاں اجنبی ہیں، بیوی بچے چھوڑ کر آئے ہیں، اس لئے ہم اپنی ایک ایک بیوی کو طلاق دیتے ہیں، آپ لوگ ان سے نکاح کر لیں۔ (اللہ اکبر) اگر کسی انصاری کے پاس دو دکانیں تھیں تو اس نے ایک دکان اپنے مہاجر بھائی کو دے دی کہ یہ تم لے لو، اگر کسی کے پاس دو تین زمینیں تھیں تو اس نے اپنے مہاجر بھائی سے کہا کہ میری دو تین جگہ کھیتیاں ہیں، ایک تم لے لو۔

ارے میرے عزیزو! اس اخوت کا تو آج کا مسلمان تصور بھی نہیں کر سکتا۔ صرف دینی اور مذہبی رشتے کی بنیاد پر بھائی چارگی کا ایسا عظیم الشان مظاہرہ کسی اور قوم نے آج تک پیش نہیں کیا اس لئے کہ پیارے نبی ﷺ نے دینی اور مذہبی رشتہ ہی ایسا مضبوط کرا دیا تھا کہ اس کے سامنے دیگر رشتے ہیچ تھے۔

مومن کی شان

تو مومنوں کی شان یہ ہے کہ آپس میں نرم ہوں اور کافروں کے مقابلے میں سخت ہوں، کفار کے ساتھ ان کا رویہ دوستی والا نہ ہو، دلی محبت والا نہ ہو، ہمدردی اور اعتماد والا نہ ہو۔ اس لئے قرآن کریم میں مسلمانوں کے لئے بطور نمونہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا طرز زندگی ذکر فرما کر کہا گیا کہ دیکھو ابراہیم علیہ السلام کی زندگی میں تمہارے لئے بہترین نمونہ موجود ہے۔

﴿قَدْ كَانَتْ لَكُمْ أُسْوَةٌ حَسَنَةٌ فِي إِبْرَاهِيمَ وَالَّذِينَ مَعَهُ إِذْ قَالُوا لِقَوْمِهِمْ إِنَّا بُرَآءُ مِنكُمْ وَمِمَّا تَعْبُدُونَ مِن دُونِ اللَّهِ كَفَرْنَا بِكُمْ وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتَّىٰ تُؤْمِنُوا بِاللَّهِ وَحْدَهُ﴾ (سورۃ الممتحنہ ۴)

تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے ساتھیوں (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے کہا کہ ہم تم سے الگ ہیں اور ان سے بھی) جن کی تم اللہ کے سوا عبادت کرتے ہو۔ ہم نے تمہارا انکار کیا اور ہمارے اور تمہارے بیچ ہمیشہ کے لئے اس وقت تک دشمنی ظاہر ہوگئی جب تک کہ تم ایک اللہ پر ایمان نہ لے آؤ۔

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے کفر سے تعلق رکھنے والی ساری برادری سے کہہ دیا کہ تمہارا میرے ساتھ کوئی تعلق نہیں، تمہارے اور میرے درمیان بغض اور عداوت ہے۔ جب تک تم ایک اللہ کو نہیں مانو گے اس وقت تک میرے اور تمہارے درمیان کوئی رشتہ نہیں ہے۔ ان کے والد بھی انہی میں تھے، سارا خاندان بھی ان

میں تھا۔ اس کے باوجود صاف طور پر انہوں نے کہہ دیا کہ تم تو اللہ کے دشمن ہو اس لئے کہ اللہ تعالیٰ نے ایمان والوں کو حکم دیا ہے کہ

﴿لَا تَتَّخِذُوا عَدُوِّي وَعَدُوَّكُمْ أَوْلِيَاءَ﴾ (سورۃ الممتحنۃ:۱)

جو میرے اور تمہارے دشمن ہیں ان کو اپنا دوست مت بنانا (ان سے دوستیاں نہ لگانا اس لئے کہ وہ تمہارے دوست ہو ہی نہیں سکتے۔)

ایک اور مقام پر فرمانِ خداوندی ہے:

﴿يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ لَا يَأْلُونَكُمْ خَبَالًا وَدُّوا مَا عَنِتُّمْ قَدْ بَدَتِ الْبَغْضَاءُ مِنْ أَفْوَاهِهِمْ وَمَا تُخْفِي صُدُورُهُمْ أَكْبَرُ﴾ (سورۃ آل عمران:۱۱۸)

اے ایمان والو تم کافروں کو ہرگز اپنا رازدار نہ بناؤ (انہیں موقع ملا تو) یہ تمہارا نقصان کرنے میں کسی بھی قسم کی کمی نہیں کریں گے اور تمہیں جس قدر زیادہ تکلیفوں کا سامنا ہوتا ہے، ان کی خوشی بھی (بڑھتی جاتی ہے) کبھی کبھی ان کا بغض (نفرت) ان کی زبانوں پر بھی ظاہر ہو جاتا ہے اور یہ اپنے دلوں میں تمہارے بارے میں جو بغض رکھتے ہیں وہ (ظاہری بغض سے) بہت زیادہ ہے۔

مسلمانوں کی خصوصیات

مسلمانوں کی خصوصیات بیان کرتے ہوئے قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں کہ

﴿أَذِلَّةٍ عَلَى الْمُؤْمِنِينَ أَعِزَّةٍ عَلَى الْكَافِرِينَ﴾ (سورۃ المائدۃ:۵۴)

(ایمان والے) مومنوں پر (آپس میں) نرمی کرنے والے (خیر خواہی کرنے

والے نرم دل) اور کافروں کے مقابلے میں سختی کرنے والے (سخت دل) ہیں۔

تو اللہ رب العزت نے مسلمانوں کو کفار سے دوستیاں کرنے سے منع فرمایا ہے البتہ کافروں کے ساتھ کچھ معاملات جائز ہیں کہ اگر آپ ان کے محتاجوں کو صدقہ اور خیرات دینا چاہیں تو دے سکتے ہیں، اگر آپ ان کے زخمیوں کا علاج کرنا چاہیں تو کر سکتے ہیں۔ مدد کرنا تو منع نہیں ہے، ہمدردی کرنا تو منع نہیں ہے، ہاں دوستی کرنا منع ہے۔

ایک بھنگی ہے آپ اسے بے شک دسترخوان پر بٹھا کر کھانا کھلائیں کیونکہ آپ اس سے دلی محبت نہیں رکھتے۔ آپ اس کے نظریے اور فکر سے بھی متاثر نہیں ہیں اس لئے آپ اس سے تعاون کر سکتے ہیں۔ اسی طرح آپ کافروں کے ساتھ اچھے برتاؤ سے پیش آسکتے ہیں، آپ ان سے لین دین بھی کر سکتے ہیں۔ تجارت بھی کر سکتے ہیں۔ ضرورت کے درجے میں ان کے ملکوں کے سفر بھی کر سکتے ہیں۔ رحمت اور شفقت کا معاملہ بھی کر سکتے ہیں۔ یہ سب ایک حد تک کر سکتے ہیں لیکن اس حد تک دوستیاں لگانا کہ آپ ان کو اپنا قابل اعتماد بنائیں، اپنی راز کی باتیں بتائیں یا آپ کو ان کا طرز زندگی پسند آجائے یا آپ اپنے فارغ اوقات ان کے ساتھ گزاریں یا آپ ان کی محفلوں میں اور وہ آپ کی محفلوں میں، دعوتوں میں، تقریبات میں مسلسل آنے جانے کا سلسلہ شروع کر دیں یا آپ مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کی مدد کریں، آپ مسلمانوں کو چھوڑ کر ان کے ساتھ تعاون کریں، یہ سب چیزیں حرام ہیں۔ ان میں سے بعض چیزیں کفر کے درجے تک ہیں کہ مسلمان

کافروں سے ایسی محبت کرے کہ ان کے دین کو بھی پسند کرے اور ان کے نظریے کو بھی اچھا جانے اور ان کے ساتھ ہر قسم کی مدد بھی کرنے لگے تو یہ کفر کے درجے میں ہے، اس کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا کہ جو ان سے دوستی کرے گا وہ انہی میں سے ہوگا۔ وہ بھی کافر ہی ہوگا، اس کا ایمان ختم ہو جائے گا۔

کافروں سے محبت گناہ کبیرہ ہے

کچھ معاملات ایسے ہیں کہ وہ کفر تو نہیں لیکن کبیرہ گناہ ہیں مثلاً ان سے ان کے ساتھ محبت کرنا اس سے اللہ نے بڑی سختی سے منع فرمایا ہے، اس لئے کہ جب دوستی ہوتی ہے تو پھر اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ مسلمان آہستہ آہستہ اسی رنگ میں رنگ جاتا ہے۔ اسی کافر دوست کے رنگ میں رنگ جاتا ہے، اسی دوست کے کھانے پینے کا انداز اختیار کرنے لگتا ہے، اسی دوست کی عادات اختیار کرنے لگتا ہے، اسی دوست کی طرح باتیں کرنے لگتا ہے۔ اسی کی مشابہت اختیار کرنے لگتا ہے۔ حدیث میں ایسے شخص کے بارے میں بہت سخت وعید آئی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جو کسی کی مشابہت اختیار کرے گا تو قیامت میں اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔

دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ جب کافروں سے دوستی ہو جاتی ہے تو کافروں کے ملک میں رہنا پسند آتا ہے، وہیں ان کی زندگی گزرتی ہے۔ ہاں اگر کسی ضرورت کے لئے گیا ہو جیسے تعلیم کے لئے وہاں جانا ہوا اور تعلیم حاصل کر کے واپس آ گیا یا دین کی اشاعت کے لئے گیا ہو اور دین کی اشاعت اور دعوت کا

پیغام پہنچا کر واپس آ گیا ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے لیکن اس خاطر سے کہ دنیا کے مفادات کی خاطر مستقل طور پر دہیں رہ جائے تو اللہ رب العزت نے ایسے لوگوں کے بارے میں فرمایا ہے کہ جب ان لوگوں کی روح قبض ہو گی اور فرشتے ان کے اوپر سختی کریں گے تو یہ کہیں گے کہ اے اللہ! ہم اس ملک کے اندر کمزور تھے، ہم دین پر اس لئے نہیں چل سکے کہ کفر کا نظام تھا، کفر کا قانون تھا، کفر کا ماحول تھا، بے دینی تھی تو انہیں جواب ملے گا کہ کیا اللہ کی زمین کشادہ نہیں تھی کہ تم ہجرت کر لیتے اور اپنا ایمان بچا لیتے۔ تمہیں پیٹ بچانے کی فکر تو ہوئی اور ایمان بچانے کی فکر نہیں ہوئی۔ اللہ کی زمین تو بہت کشادہ تھی۔ باقی اگر یہ عذر ہو کہ کمانے کے لئے وہاں نہ جائیں تو کہاں سے کھائیں گے؟ تو قرآن میں اللہ پاک کا ارشاد ہے:

﴿ وَكَأَيِّنْ مِنْ دَابَّةٍ لَا تَحْمِلُ رِزْقَهَا اللَّهُ يَرْزُقُهَا وَإِيَّاكُمْ ﴾

(سورۃ العنکبوت: ۶۰)

اور کتنے جانور ایسے ہیں جو اپنی روزی کا بوجھ (ذمہ داری) اٹھا نہیں سکتے۔ اللہ ان کو بھی اور تمہیں بھی روزی دیتا ہے۔

ارے! ذرا پرندوں کو دیکھ کر عبرت پکڑ لیا کرو کہ صبح جب وہ اپنے گھونسلوں سے نکلتے ہیں تو ان کے پیٹ خالی ہوتے ہیں اور شام کو جب واپس آتے ہیں تو ان کے پیٹ بھرے ہوئے ہوتے ہیں۔ اللہ انہیں روزی دیتا ہے تو تمہیں بھی دے گا ضرور دے گا۔

تو میرے دوستو! جب دوستیاں ہونے لگتی ہیں تو پھر آدمی اسی دوست کے ماحول میں زندگی گزارنے لگتا ہے۔

کفار سے دوستی کا نقصان

اسی طرح جب کافروں سے دوستیاں ہو جاتی ہیں تو مسلمانوں کے بجائے کافروں کی مدد کی جاتی ہے۔ ان کے ساتھ تعاون کیا جاتا ہے، ان کی ترقی میں ان کا معاون و مددگار بنا جاتا ہے حالانکہ اللہ رب العزت نے اس سے منع فرمایا ہے اور اسی طریقے سے جب دوستیاں ہو جاتی ہیں تو کافروں کی جو مذہبی رسومات ہوتی ہیں جیسے یوم پیدائش ہو گیا، کرسمس ہو گئی، ان کی مذہبی رسومات ہو گئیں، ان کے مذہبی طور طریقے ہو گئے یا ان کے معاشرے کی وہ تاریخیں جن میں وہ خوشیاں کرتے ہیں اور جو رسمیں قائم کرتے ہیں ان کے اندر مسلمان شریک ہونے لگتا ہے جبکہ قرآن کریم ایمان والوں کے بارے میں اعلان کرتا ہے کہ جو خالص ایمان والے ہوتے ہیں وہ ان محفلوں میں شریک نہیں ہوتے مگر جب دوستی ہو جاتی ہے تو پھر چونکہ دوست اپنا خاص ہوتا ہے، ہندو ہوتا ہے، عیسائی ہوتا ہے، اس کی برتھ ڈے ہوتی ہے تو اس کے لئے جاتے ہیں اور وہاں کھانا بھی کھاتے ہیں۔ اور اب تو اسکول و کالج کے نوجوان مسلمان لڑکے ان کی مذہبی رسومات میں بھی شریک ہوتے ہیں...... اس لئے کہ جب پڑھتے ہی عیسائیوں کے اسکول میں ہیں، ان کی تربیت ہی وہاں ہوتی ہے تو پرنسپل یا ٹیچر کے بلاوے یا دعوت پر انہیں جانا پڑتا ہے اور ان کی مذہبی رسومات میں بھی شریک ہونا پڑتا ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا واقعہ

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ایک مرتبہ تورات اٹھائی اور اسے کھولا ہی تھا کہ حضور ﷺ

تشریف لے آئے۔ آپ ﷺ نے جب یہ دیکھا تو غصے کی وجہ سے چہرہ سرخ ہو گیا۔ حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو ہاتھ مارا اور کہا کہ عمر کیا کر رہے ہو؟ حضور کے چہرے کی طرف دیکھو۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فوراً فرمایا: یا رسول اللہ! میں اسلام پر راضی ہوں۔ آپ کو رسول مانتا ہوں۔ اللہ کی وحدانیت کا قائل ہوں۔ آپ مجھے معاف فرما دیں۔

حضور ﷺ نے فرمایا: اے عمر! اگر آج موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہوتے تو وہ بھی میری شریعت کا اتباع کرتے، وہ بھی میری ہی نبوت کے تابع ہو کر زندگی گزارتے۔ اندازہ لگایئے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ تو ریت کو صرف دیکھ رہے تھے اور بہت بڑے درجے کے صحابی اور مضبوط ایمان والے تھے۔ کیا ان کے ایمان کے بارے میں کسی قسم کا خطرہ تھا؟ نہیں! لیکن حضور ﷺ نے اس پر بھی غصہ کا اظہار کر کے یہ سمجھا دیا کہ غیروں کے طور طریقے اور رسوم و رواج مسلمانوں کو زیب نہیں دیتے۔

آج کہتے ہیں کہ جناب نہیں! میں تو صرف تھوڑا ریسرچ کر رہا ہوں تاکہ دیکھ تو لوں کہ یہ کیا کہتے ہیں حالانکہ اپنے ایمان کی بنیادیں کمزور ہیں اور غیروں کی مذہبی کتابوں کا مطالعہ کر رہے ہوتے ہیں اور پھر اسی وجہ سے ان کے نظریات سے متاثر ہونے لگتے ہیں۔ اس لئے ان کافروں سے دوستیوں کا نتیجہ ہی یہ ہوتا ہے کہ مسلمان ان کی رسومات میں، ان کی مذہبی مجالس میں شریک ہونے لگتا ہے۔ اسی طرح آہستہ آہستہ دوستی سے متاثر ہو کر، ماحول سے متاثر ہو کر ان کی نقالی شروع کر دیتا ہے حتیٰ کہ نام بھی ان سے ملتے جلتے رکھنے لگتا ہے۔

ذہنی غلامی کا ایک اور نتیجہ

آج مسلمان گھرانوں میں نئے نئے نام سننے میں آتے ہیں۔ پہلے مسلمانوں کے نام معروف ہوا کرتے تھے، ان کے آباء واجداد سے چلا کرتے تھے، نام سنتے ہی معلوم ہو جاتا تھا کہ یہ مسلمانوں کی برادری سے تعلق رکھتا ہے۔ اب نام ایسے رکھے جاتے ہیں کہ پتہ ہی نہیں چلتا کہ یہ کون سی برادری ہے۔ مسلمانوں کی ہے یا کسی اور کی ہے۔ پیارے رسول ﷺ نے بہترین نام بتائے ہیں کہ بہترین نام "عبداللہ"، "عبدالرحمن" اور حضرات انبیاء کے نام ہیں اور ان میں سب سے افضل نام رسول اللہ ﷺ کا نام "محمد" اور "احمد" ہے۔ لیکن اب کیا ہے کہ آباء واجداد سے جو نام چلے آرہے ہیں وہ پسند نہیں ہیں، اب نئے نئے نام رکھے جاتے ہیں۔ کسی ناول کا نام سن لیا، کہیں کہانی میں پڑھ لیا، کسی اداکار نے کچھ کہہ دیا، کسی میگزین میں آ گیا، بس نیا نام رکھ لیا، نہ معنی کا پتہ، نہ مفہوم کا کچھ خیال۔ تو یہ اسی تہذیب سے متاثر ہیں، فلمیں دیکھتے ہیں، ان کے اندر جس قسم کے نام استعمال کئے جاتے ہیں، ویسے ہی نام رکھتے ہیں۔ اس لئے کہ کسی کے نام پر اپنی اولاد کے نام تب ہی رکھے جاتے ہیں جب دل میں ان کی عظمت بیٹھتی ہے۔ ہمارے گھر میں اگر کوئی چپڑاسی یا بھنگی آئے تو ہم اپنے بچے کا نام اس کے نام پر تو نہیں رکھیں گے، اسی کے نام پر بچے کا نام رکھیں گے جو ٹی وی، فلم یا اسٹیج کا کوئی بڑا اداکار یا ہیرو ہوگا۔ پہلے ان کی عظمت دل میں آتی ہے پھر بچوں کا نام بھی ان کے نام جیسا رکھتے ہیں۔

پہلے مسلمان اپنی اولاد کے نام صحابہ کرام، تابعین، محدثین اور فقہاء کے

نام پر رکھنے میں سعادت سمجھا کرتے تھے لیکن جب سے کفار اور کفار کے ایجنٹوں سے متاثر ہوئے ہیں، ان سے دوستیاں کی ہیں، تعلق بنایا ہے تو مسلمان بھی اپنے بچوں کا نام ان کے ناموں پر رکھنے لگے ہیں۔

اہلِ کفر کی دوستی سے بچنے کا طریقہ

اس لئے میرے عزیزو! اس فتنہ سے نکلنے کا راستہ یہ ہے کہ ہم ایمان کے تقاضوں کو پورا کریں، ان میں سے ایک تقاضا یہ ہے کہ ہماری محبت، نفرت، غصہ اور سختی خالص اللہ تعالیٰ کی رضا کے لئے ہو، اپنی ذات کے لئے نہ ہو۔ ہم اللہ کے لئے محبت کریں، اللہ کے لئے دیں، اللہ کے لئے روکیں اور جہاں اللہ نے نفرت کرنے کا حکم دیا ہے وہاں اللہ ہی کے لئے نفرت کریں۔

کافروں کی ذات سے نفرت نہیں ہے

دیکھئے! ہمیں کافروں کی ذات سے نفرت نہیں ہے لیکن جب ان کی ذات کفر اختیار کرتی ہے تو قابلِ نفرت ہو جاتی ہے۔ ہاں اگر یہی ذات اسلام کے لبادے میں آجائے تو ہم اسے سینے سے لگا لیں گے کیونکہ ذات سے نفرت نہیں ہے۔ لیکن جب ذات کفر اختیار کر رہی ہے تو قابلِ نفرت ہوگی اس لئے کہ جہنم میں اس کی ذات ہی تو جائے گی، نظریہ تو نہیں جائے گا۔ ہاں ذات سے نفرت ایسی نہیں کہ اگر کلمہ پڑھ لے تو اسلامی برادری یہ نہیں کہے گی کہ تو تو کافر تھا۔ نہیں ایسا نہیں، نفرت تیری ذات سے نہیں بلکہ تیرے نظریے سے تھی۔ تو نے وہ چھوڑ دیا اب تو ہمارا اسلامی بھائی ہے اور ہمیں قبول ہے۔ حضور ﷺ کے پاس ایک یہودی آیا

اور اسلام قبول کیا تو آپ ﷺ نے اسے گلے لگا لیا۔ اسے حیرت ہوئی کہ میں ابھی کافر سے مسلمان ہوا ہوں اور مسلمانوں کے آقا نے مجھے گلے لگا لیا ہے، میرے پسینے، میرے گندے کپڑوں کا خیال بھی نہیں کیا۔ یہ دیکھ کر حضور ﷺ نے فرمایا: "اس کی فکر نہ کرو، اللہ تعالیٰ تمہارے اس پسینے کو جنت کی خوشبو سے بدل دے گا۔" چونکہ تمہارے دل کی دنیا ایمان کے نور سے چمک اٹھی ہے اب تمہاری اس ظاہری گندگی کی وجہ سے اللہ کے ہاں تمہاری قدر و منزلت میں کوئی کمی نہیں آئے گی۔

تو میرے عزیزو! ذات سے دشمنی نہیں ہے بلکہ ان کے نظریے سے دشمنی ہے۔ انہیں دنیا کی اتنی بڑی سچائی سمجھ میں نہیں آ رہی کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے، دنیا کی اتنی بڑی صداقت سمجھ نہیں آئی جو اسلام کی صورت میں ہے لہذا ان سے بڑا احمق کوئی نہیں ہے۔ لوگ کہتے ہیں کہ یہ بڑے سمجھدار ہیں۔ ارے سمجھدار ہوتے تو دنیا کی سب سے بڑی سچائی کے قائل ہوتے، اس کا انکار کبھی نہ کرتے۔

اسلام دنیا کا سب سے سچا مذہب ہے

اسلام دنیا کا سب سے بڑا اور سچا مذہب ہے۔ اس لئے میرے عزیزو! اپنے مذہب اور دین پر فخر کرنا چاہئے اور کوشش کرنی چاہئے کہ ہماری دوستی اور پیاری بھی اللہ کے لئے ہو، نفرت اور بغض بھی اللہ کے لئے ہو، تمام اعمال میں اللہ کی رضا مقدم ہو، یہی کمالِ ایمان کی علامت ہے۔

مصیبت کا فتنہ

ہر انسان کی زندگی میں دو قسم کے حالات آتے ہیں۔ خوشی کے حالات اور تکلیف کے حالات۔ یہ دنیاوی فطرت میں شامل ہے یہاں تک کہ اس دنیا کے سب سے افضل انسان نبی ﷺ کی زندگی میں بھی دونوں قسم کے حالات آئے۔ اس فتنے کا شکار ہو کر کچھ لوگ صبر کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسے اپنے لئے باعث رحمت اور باعث نجات بنا لیتے ہیں اور کچھ لوگ اس فتنہ میں بے صبری کا مظاہرہ کر کے شیطان کی راہ پر چل نکلتے ہیں۔

دنیا کے اندر رہتے ہوئے انسان کا واسطہ جن فتنوں سے پڑتا ہے ان فتنوں میں سے ایک فتنہ (فتنة الضراء) ہے۔ کچھ لوگ تو اس فتنہ کا شکار ہو کر اس حالت کو اپنے لئے باعث رحمت اور باعث نجات بنا لیتے ہیں اور کچھ لوگ اس فتنے کے اندر رہ کر شیطان کی راہ پر چل نکلتے ہیں۔ یہ حالت ہے آزمائش کی، تکلیف کی، بیماری کی، دوری کی، مال کی کمی کی، کاروبار کے نقصان کی اولاد سے محرومی کی۔ یہ دنیا ہے یہاں ہر شخص پر ملے جلے احوال آتے ہیں۔ کبھی طبیعت کے مطابق، کبھی طبیعت کے خلاف، کبھی اچھے، کبھی برے۔ یہ دنیاوی فطرت میں شامل ہے یہاں تک کہ اس دنیا کے سب سے افضل انسان نبی ﷺ کی زندگی میں بھی دونوں قسم کے حالات آئے۔ تکلیف دہ حالات بھی آئے، آزمائش کے حالات بھی آئے، رکھ درد کے حالات بھی آئے، بیماری کے حالات بھی آئے۔ یہ سب حالات آپ ﷺ کی زندگی میں آئے۔

خوشی اور غم سب کی زندگی میں آتے ہیں

ہر انسان کی زندگی میں یہ دونوں قسم کے حالات آتے ہیں۔ تکلیف کے حالات بعض لوگوں کے لئے فتنہ بن جاتے ہیں، باعث زحمت بن جاتے ہیں، اللہ سے دوری کا سامان بن جاتے ہیں۔ شیطان دل میں وسوسے ڈالتا ہے، خیالات ڈالتا ہے اور اللہ کے بارے میں اس بندے کو اور بھی زیادہ بدگمان کرتا ہے اور اللہ سے دور

بھی کرتا ہے۔ یہ ساری چیزیں ایسی ہیں کہ انسان کے لئے آنے والی مصیبت و زحمت اور عذاب کا سامان بن جاتی ہیں حالانکہ اگر بندہ یہ سوچ لے کہ آزمائش تو آنی ہی ہے، آئے گی، میرے مقدر میں لکھی ہے، اگر میں اس آزمائش کی حالت میں اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤں تو یہی آزمائش میرے لئے رحمت کا سامان بن سکتی ہے کیونکہ تکلیف تو نیک لوگوں پر بھی آتی ہے بلکہ گنہگاروں کے مقابلے میں ان پر زیادہ آتی ہے۔

انبیاء پر سب سے زیادہ آزمائشیں آئی ہیں

پیارے رسول ﷺ سے جب پوچھا گیا کہ

"أيُّ النَّاسِ أشَدُّ بلاءً؟ قال: الأنبياءُ ثم الأمثلُ فالأمثلُ"

(ترمذی، باب الصبر علی البلاء، ج۲ ص۶۵)

انسانوں میں سے کن پر سب سے بڑی آزمائشیں آتی ہیں؟ تو آپ ﷺ نے فرمایا: سب سے بڑی آزمائشیں انبیاء پر آتی ہیں پھر جو ان کے جتنا قریب ہوتا ہے (اتنا ہی اس پر آزمائشیں آتی ہیں)۔

آزمائش کا معیار

آدمی کا امتحان اس کی دینداری کے بقدر ہوا کرتا ہے۔ (سبحان اللہ) صحابہ کرام ؓ کا دین چونکہ بہت بڑھا ہوا تھا اس لئے تلواروں پر لٹائے جاتے تھے، صحابہ کرام ؓ کا ایمان چونکہ بہت بڑھا ہوا تھا اس لئے گھر اور وطن سب کچھ چھوڑ کر دین پر چلانے کی آزمائش کی گئی تاکہ یہ معلوم ہو جائے کہ دین پر کتنا چل سکتے ہیں۔ اس لئے اللہ رب العزت کا فرمان ہے کہ

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ امْتَحَنَ اللَّهُ قُلُوبَهُمْ﴾ (سورۃ الحجرات ۳)

وہی لوگ ہیں جن کے دلوں کو اللہ تعالیٰ نے تقویٰ کے لئے جانچ لیا ہے۔

ہم نے ان کا بڑا امتحان لیا ہے، مکے کی گلیوں میں، احد کے میدان میں، خندق کے معرکے میں، میدان بدر میں تلواروں کے سائے تلے اپنے سے بڑے دشمن کے مقابلے میں مجھے بیویاں، گھر اور وطن سے بے وطنی، خاندان سے جدائی، اپنوں سے جدائی کے امتحانات لئے ہیں۔ اللہ کہہ رہا ہے کہ میں نے ان کا بڑا امتحان لیا لیکن یہ بڑے عجیب لوگ تھے جب بھی ان کا امتحان لیا تو ان کے دلوں میں سوائے تقویٰ کے اور کچھ نہ تھا، تب ہی تو اللہ نے کہا کہ میں ان سے راضی ہو گیا اور ان کی سچائی بیان کرتے ہوئے اللہ نے پاک نے فرمایا:

﴿أُولٰئِكَ هُمُ الصَّادِقُونَ﴾ (سورۃ الحجرات ۱۵)

وہ بڑے ہی سچے ہیں۔

وہ بڑے سچے لوگ ہیں، واقعی ایمان میں سچے ہیں، ایک اور مقام پر اللہ تعالیٰ نے ان کے بارے میں فرمایا:

﴿أُولٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورۃ الحشر ۹)

وہی لوگ مراد پانے والے ہیں۔

ایک اور موقع پر فرمایا:

﴿أُولٰئِكَ هُمُ الْمُؤْمِنُونَ حَقًّا﴾ (سورۃ الانفال ۴)

وہی لوگ تو حقیقت میں مومن ہیں۔

ہاں یہ واقعی پکے سچے مومن ہیں ہم نے ان کو ٹھونک بجا کر دیکھ لیا ہے یہ بڑے پکے سچے اور مضبوط ایمان والے ہیں۔

آزمائش نیک بندوں کی بھی ہوتی ہے۔ انبیاء کے بعد پھر صحابہ کا معاملہ، پھر اولیاء کا معاملہ، پھر محدثین کا معاملہ، فقہاء کا معاملہ۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ جیل میں پڑے رہے ان کا جنازہ جیل سے اٹھا۔ ابن تیمیہ رحمۃ اللہ علیہ کا جنازہ جیل سے اٹھا۔ امام احمد بن حنبل رحمۃ اللہ علیہ کو اللہ کے دین کے لئے کوڑے لگائے گئے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کا چہرہ سیاہ کر کے مدینہ کی گلیوں میں گھما کر رسوا کرنے کی کوشش کی گئی۔ یہ سب ایسے بڑے لوگ تھے کہ ان کی مقبولیت کی علامت آپ آج بھی دیکھ سکتے ہیں کہ دنیا میں اگر ۹۰ فیصد مسلمان دین پر چل رہے ہیں تو ان کی محنت کے نتیجے میں چل رہے ہیں۔ یہ اللہ کے پسندیدہ اور مقبول بندے تھے لیکن چونکہ اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے کہ جب دین پر چلو گے تو آزمائشیں تو آئیں گی ہی، کبھی ایک جانب سے کبھی دوسری جانب سے، لہٰذا ان حضرات پر بھی آزمائشیں آئیں اور ان حضرات نے انہیں احسن طریقے سے برداشت کیا اور ہر آزمائش میں اپنے پروردگار کو یاد کرتے رہے یہاں تک کہ وہ اس آزمائش میں کامیاب ہو گئے۔

شیطان کے وسوسوں پر دھیان نہ دیجئے

بسا اوقات شیطان وسوسے ڈالتا ہے کہ ارے تو نمازی بن گیا پھر بھی تیرے اوپر آزمائش آرہی ہے۔ تو نے داڑھی رکھ لی اور پھر بھی تکلیفیں آرہی ہیں تو پکی بات تو یہ ہے کہ ابھی تک ایمان بنا کہاں ہے؟ جو آزمائشیں آئیں گی۔ یہ تو سب اپنے اعمال کی نحوست ہے۔ ایمان والی آزمائشیں تو بہت سخت ہوا کرتی ہیں، ان آزمائشوں میں صبر کرنا کمالِ ایمان کی علامت ہے۔

آج کل تو چھوٹی چھوٹی آزمائشوں پر سوچ ہی بدل جاتی ہے کہ اگر نیکی کا راستہ اپنایا یا کوئی نیکی کا کام کر لیا تو آزمائش آجاتی ہے، جیسے ایک دیہاتی کا قصہ ہے کہ وہ نیا نیا نمازی بنا تو اللہ کی طرف سے اس پر آزمائش آ گئی اور اس کی بھینس مر گئی۔ وہ نماز پڑھنے میں تھوڑی پابندی اور کرنے لگا تو ایک اور بھینس مر گئی۔ وہ نمازیں پڑھتا رہا اور بھینسیں مرتی چلی گئیں۔ جب صرف ایک بھینس کا بچہ باقی رہ گیا تو اس نے رات کو آواز نکالی (ظاہر ہے کہ ماں کے بغیر تو بچہ آواز نکالتا ہی ہے) تو اس دیہاتی نے اس سے مخاطب ہو کر کہا کہ تو تو دو رکعت نماز نفل کی مارے ہے۔ دو نفل پڑھوں گا تو مر جائے گا۔

سوچ کے دو مختلف زاویے

تو میرے عزیزو! غور کیجئے کہ سوچ کا ایک زاویہ یہ ہے کہ میں دین پر چلتا ہوں تو میرا نقصان شروع ہو جاتا ہے۔ سوچ کا دوسرا زاویہ یہ ہے کہ اللہ کا پیارا ہو گیا ہوں اور اللہ مجھے ان آزمائشوں کے ذریعے اور اپنا بنا رہا ہے۔ اب لگتا ہے اللہ کی رحمت متوجہ ہو گئی ہے اس آزمائش کے ذریعے اللہ میرے جسم کے ایک ایک بال کو صاف شفاف کر رہا ہے۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

"فَمَا يَبْرَحُ الْبَلَاءُ بِالْعَبْدِ حَتّٰى يَتْرُكَهُ يَمْشِي عَلَى الْأَرْضِ وَمَا عَلَيْهِ خَطِيْئَةٌ" (ترمذی، باب فی الصبر، ج ۲، ص ۶۵)

بندہ دنیا کے اندر آزمائش میں رہتا ہے پھر (کچھ عرصے بعد) یہ زمین پر اس حالت میں چلتا پھرتا نظر آتا ہے کہ اس کے جسم پر ایک بھی خطا باقی نہ رہتی۔ (ایسا صاف شفاف ہو جاتا ہے)

مختلف قسم کی آزمائشیں آتی ہیں۔ بیٹے کی آزمائش، بیوی کی آزمائش، شوہر

کی آزمائش، کاروبار کی آزمائش، خاندان کی آزمائش، اس کے اپنے جسم پر بیماری کی آزمائش تو جب بڑھیا ایمان ہوتا ہے تو پھر سوچ یوں بنتی ہے کہ اللہ رب العزت مجھے اور قریب کرنا چاہ رہا ہے اور پیارا بنانا چاہ رہا ہے۔ امی عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا فرمایا کرتی تھیں کہ حضور ﷺ پر اتنا شدید بخار آیا کرتا تھا کہ اگر آپ اپنا ہاتھ پانی میں رکھتے تو پانی گرم ہو جاتا تھا۔ (اللہ اکبر)

تو میرے عزیزو! یہ حالات زندگی میں آتے ہیں۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ ان حالات میں آدمی شکوے شکایت کرنے لگ جائے۔ یہ تو ایسے ہے کہ نہ خدا ملا نہ وصال صنم۔ آزمائش تو ویسے ہی آ گئی اور اس آزمائش میں اللہ بھی نہیں ملا، اجر بھی ضائع کر دیا اور آزمائش پھر بھی باقی رہی، تکلیف پھر بھی رہی، وہ تو رہے گی۔ تو ایک صورتحال یہ ہوتی ہے کہ بندہ شکوے شکایت کرنے لگتا ہے۔ تقدیر پر ناراض ہونے لگتا ہے، اعتراض کرنے لگتا ہے، اللہ سے اور دور ہونے لگتا ہے اور دوسری صورت یہ ہوتی ہے کہ بندہ صبر کرتا ہے اور اس کا بہترین پھل اسے ملتا ہے۔ کسی شاعر نے کہا ہے۔

اَلصَّبْرُ مِثْلُ اِسْمِهٖ مُرٌّ مَذَاقَتُهٗ

لٰكِنْ عَوَاقِبُهٗ اَحْلٰى مِنَ الْعَسَلِ

اگرچہ صبر کا ذائقہ بڑا کڑوا ہے لیکن اس کا انجام شہد سے زیادہ میٹھا ہے۔

اللہ تعالیٰ نے پیارے نبی ﷺ کو کہا کہ

﴿وَبَشِّرِ الصّٰبِرِيْنَ﴾ (سورۃ البقرۃ ۱۵۵)

ان صبر کرنے والوں کو خوشخبری دے دو۔

اور انہیں بتا دو کہ

﴿ إِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ ﴾ (البقرۃ:۱۵۳)

بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے (ان کا ساتھی ہوتا ہے)

اس آزمائش کی گھڑی میں دین پر جمنے والے، اللہ کے تعلق میں جمنے والے ثابت قدم مومنوں کو بتادو کہ اب اللہ تمہارے ساتھ ہو گیا ہے اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہے۔

آزمائش کی فضیلت

پیارے رسول ﷺ نے ایک مرتبہ آزمائش کی بڑی فضیلت بیان فرمائی کہ حضرت ابو ہریرہؓ کہنے لگے کہ یا رسول اللہ! میرے لئے دعا فرمائیں کہ مجھے ہمیشہ بخار ہی رہے لیکن ساتھ یہ دعا بھی کردیں کہ بخار کی وجہ سے کبھی میری عبادت میں کمی نہ آئے بلکہ عبادت کرتا ہی رہوں۔

حضرت ابو ہریرہؓ کو ہمیشہ بخار رہتا تھا مگر عبادت میں کوتاہی نہیں ہوتی تھی۔ نمازیں چلتی رہتی تھیں۔ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! مجھے بخار ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "لا باس طھور" کوئی بات نہیں بھائی! جسم کا پورا حصہ ہی بخار سے متاثر ہے سر کے بالوں سے لے کر پاؤں کے ناخنوں تک پورا جسم گرم ہو رہا ہے تو اللہ رب العزت کی طرف سے آزمائش ہے۔ اس سے پورے جسم کی صفائی ہورہی ہے۔ (سبحان اللہ)

صبر سے اچھی چیز

پھر میرے دوستو! سب سے بڑی عبادت (حالۃ الرضا) راضی رہنا ہے۔

صبر تو کڑوا گھونٹ ہے، اسے برداشت کر رہا ہے لیکن اس سے بھی بڑھ کر ایک حالت ہے کہ رب کی رضا پر راضی رہنا، یہ سوچنا کہ میرا بھلا اسی میں ہے۔ آدمی ڈاکٹر کے پاس جاتا ہے تو کبھی وہ کڑوی گولی بھی دیتا ہے کبھی آپریشن بھی کر دیتا ہے۔ تو کیا خیال ہے، راضی رہتا ہے یا نہیں رہتا۔ نہ صرف راضی رہتا ہے بلکہ شکریہ بھی ادا کرتا ہے اور شکریہ کے ساتھ ساتھ پیسے بھی ادا کرتا ہے۔ اگر ڈاکٹر چیر پھاڑ میں تھوڑی سی توجہ اور محنت مزید کرلے تو پھر ساری زندگی اس کا احسان مند رہتا ہے کہ بڑا اچھا آپریشن کیا تھا۔ کیوں؟ اس لئے کہ اس کی حکمت پر، اس کی خیر خواہی پر یقین ہے اس لئے بہت تعریف کر رہا ہے۔ شکریہ بھی ادا کر رہا ہے۔

میرے عزیزو! جب اللہ تعالیٰ سے تعلق بنتا ہے تو اللہ کی طرف سے آزمائش آنے پر یہ بندہ دل وجان سے راضی ہوتا ہے کہ اللہ رب العزت نے میرا آپریشن کیا ہے اس میں میری بھلائی تھی۔ اس سے بہتر صحت ملے گی، بہتر زندگی ملے گی، اس دنیا میں نہیں بلکہ آخرت میں۔ اس لئے کہ یہ زندگی تو پرانی ہوجانے والی ہے، یہ شباب تو ختم ہوجانے والا ہے، یہ زندگی تو ختم ہوجانے والی ہے۔ اللہ اس آپریشن کی برکت سے مجھے ایسی صحت دینے والا ہے جس میں بیماری نہیں لگے گی، جس میں پھر بڑھاپا نہیں آئے گا، جس میں ملنے والی نعمتیں چھینی نہیں جائیں گی تو اس لئے بندہ پھر صرف صبر ہی نہیں کرتا بلکہ اس سے بڑھ کر رب کی رضا پر راضی رہتا ہے اور اس کڑوے گھونٹ کو خوشی خوشی برداشت کرتا ہے، پھر اسے اس کی کڑواہٹ محسوس نہیں ہوتی کیونکہ پھر اسے اس بات کا یقین ہوتا ہے کہ اسی میں میرے لئے بھلائی ہوگی۔

اللہ بھلائی کیسے کرتا ہے؟

اس کے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

"اِذَا اَرَادَ اللّٰہُ بِعَبْدِہٖ خَیْرًا عَجَّلَ لَہُ الْعُقُوْبَۃَ فِی الدُّنْیَا"

(ترمذی کتاب ...)

جب اللہ کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا معاملہ (کرنے کا ارادہ) کرتا ہے تو اس کی غلطیوں کی سزا اسے دنیا میں ہی دے دیتا ہے۔

جیسے کوئی ڈاکٹر فوراً بیماری پہچان جائے اور اس بیماری کو جسم میں پھیلنے سے پہلے ہی روک دے تو کہتے ہیں ڈاکٹر نے بڑی خیر خواہی کی ہے تو اللہ رب العزت جب کسی بندے کے ساتھ بھلائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کی غلطی پر اسے فوراً سزا دے دیتا ہے تاکہ میرے بندے کا معاملہ بالکل صاف شفاف ہو جائے۔

نافرمان کی سزا کا خدائی طریقہ

"وَاِذَا اَرَادَ بِعَبْدِہٖ شَرًّا اَمْسَکَ عَنْہُ بِذَنْبِہٖ حَتّٰی یُوَافِیَ بِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ" (ترمذی)

اور جب اللہ کسی بندے کے ساتھ برائی کا ارادہ کرتا ہے تو اس کو اس کے گناہوں کی پوری جزا دنیا میں نہیں دیتا بلکہ پوری سزا اکٹھی کر کے آخرت میں دیتا ہے۔

ظاہر ہے وہ بڑا کٹھن مرحلہ ہے مشکل مرحلہ ہے کہ تمام گناہوں کی سزا آخرت میں ملے۔ دنیا میں اللہ اپنے پیارے بندوں کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے کہ انہیں ان کی کوتاہیوں کی سزا یہیں مل جاتی ہے۔ بخار ہو گیا ٹھوکر لگ گئی، بیٹے بیوی

پر تکلیف آ گئی، شوہر پر، مال پر، کاروبار پر تکلیف آ گئی لیکن یہ دین پہ جما ہوا ہے (ماشاءاللہ) اور اللہ کے فیصلے پر دل و جان سے راضی ہے۔

موجودہ صورت حال

میرے عزیزو! آج نہ صبر ہے، نہ رضا ہے، وجہ صرف یہ ہے کہ مرنے کے بعد کی زندگی کا یقین ہی نہیں آ رہا۔ آج تو انسان کہتا ہے یہاں ٹھاٹھ سے رہوں، وہاں کی بعد میں دیکھی جائے گی۔ یہاں کچھ نہ ہو بس اس لئے تکلیف برداشت نہیں ہوتی، اس لئے آزمائش کی گھڑیوں میں شکست کھا جاتا ہے، شیطان کے جال میں پھنس جاتا ہے، شکوے زبان پر آ جاتے ہیں، اپنا اجر بھی ضائع کر دیتا ہے، آخرت کو بھی برباد کر دیتا ہے۔ سچ کہہ رہا ہوں کہ اللہ اپنے پیاروں کے ساتھ یہ معاملہ کرتا ہے کہ کسی نہ کسی چھوٹی موٹی تکلیف میں لگائے رکھتا ہے تاکہ ان کی صفائی ہوتی رہے، اس لئے کہ کبھی بھول سے غلطی ہو گئی، کبھی اس کی آنکھ بھٹک گئی، کبھی دماغ بھٹک گیا تو چھوٹی موٹی تکلیف آتی رہتی ہے تاکہ اس کی غلطیاں معاف ہوتی رہیں اور یہ سمجھتا ہے کہ پتہ نہیں کیا بات ہے مصیبت پیچھا ہی نہیں چھوڑ رہی ہے۔ ہاں اگر زبان پر شکوے آ رہے ہیں تو یہ آنے والی مصیبت یقیناً اسے اللہ سے اور بھی دور کر دے گی۔ ویسے اللہ کا معاملہ بڑا بھلائی کا ہے، خیر کا ہے اس لئے میرے عزیزو! حالات تو سب پر آتے ہیں۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا ہے:

"مَا يُصِيبُ الْمُؤْمِنَ مِنْ هَمٍّ وَلَا غَمٍّ وَلَا نَصَبٍ إِلَّا كَفَّرَ اللَّهُ بِهَا حَتَّى الشَّوْكَةُ يُشَاكُهَا" (صحیح مسلم ج ۲، ص ۳۱۹)

کسی مومن بندے پر کوئی غم آئے، کوئی مصیبت آئے (کوئی بھی چیز آئے) تو

اس سے اللہ اس کی خطائیں معاف کر دیتا ہے یہاں تک کہ کوئی کانٹا بھی چبھے تو
اس کے بدلے بھی اللہ اس کی کوئی نہ کوئی خطا معاف کرتا ہے۔

ایک مرتبہ نبی کریم ﷺ امی عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس بیٹھے تھے کہ چراغ بجھ گیا۔ جیسے ہی چراغ بجھا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّا لِلّٰهِ وَإِنَّا إِلَيْهِ رَاجِعُوْنَ"

امی عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا: یا رسول اللہ! چراغ بجھا اور آپ "إِنَّا لِلّٰهِ" پڑھ رہے ہیں، یہ تو تکلیف کے موقع پر پڑھا جاتا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: مومن کے لئے یہ بھی تو تکلیف ہے۔ پہلے تم روشنی میں بیٹھی تھیں اور اب چراغ بجھ گیا ہے، اندھیرے میں چلی گئی ہو اس لئے "إِنَّا لِلّٰهِ" پڑھ رہا ہوں۔ اور اس کا مطلب یہ ہے کہ اے اللہ ہم اس آزمائش اور تکلیف کا بدلہ بھی تیرے دربار میں آکر لیں گے اور ہم تیرے پاس آ رہے ہیں اور اس تکلیف کا جو چھوٹی سی ہے ہم تیرے پاس آکر اس کا بدلہ بھی لے لیں گے۔

دیکھیں نا اگر آپ کے پاس کوئی خریدار آئے، اگا ایک آنے مال لینے کے لئے اور وہ ایک کروڑ روپے کا مال لے کر جائے لیکن آپ کو یہ پتہ ہے کہ پارٹی بڑی اچھی ہے۔ پیسے وقت پر دے دیتی ہے اور آدمی بھی سچا ہے جو بات کہتا ہے پوری کرتا ہے اور اس کے لئے کروڑ روپیہ کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے اور وہ کہے کہ کل آکر میرے دفتر سے پیسے لے لینا تو کیا خیال ہے آپ کتنے مطمئن ہوں گے کہ کوئی بات نہیں کروڑ کا مال ہے کل پیسے لے لیں گے۔ بڑے مطمئن ہوں گے اسی طرح جب اللہ رب العزت اپنے بندے سے کوئی چیز لیتا ہے تو بندہ کہتا ہے اللہ نے میرے ساتھ معاملہ کیا

ہے میں جا کے اپنے اللہ سے اس کی بے مثت سے لوں گا اس لئے کہ قرآن کہتا ہے:

﴿وَمَنْ اَصْدَقُ مِنَ اللّٰهِ قِيْلًا﴾ (سورۃ النساء: ۱۲۲)

اللہ سے بڑا سچا کوئی نہیں ہے۔

اللہ نے کہا ہے کہ صبر کرو گے تو دے دوں گا تمہیں۔ لیکن اگر کوئی بھائی سے کروڑ روپے کا سامان لے کر چلا جائے، بھائی کو قطعاً بھی ہو جائے اور اسے پتہ ہی نہ ہو کہ وہ لے جانے والا کون ہے اور غلطی سے اسے ادھار دے دیا ہو، آپ بھی اسے نہیں جانتے، بھائی بھی نہیں جانتا، تو کیا حال ہوگا پریشانی کا۔ نہ رات کو نیند، نہ دن کو آرام، ذرا سا بھی سکون نہیں ہوگا۔ ایک کروڑ روپے! ارے ساری پونجی برباد کر دی، ضائع کر دی اس نے۔ کیسے لیں گے اس سے کروڑ روپے کیونکہ جانتے ہی نہیں ہیں۔ سچ کہہ رہا ہوں جیسے وہاں آدمی ڈپریشن اور ٹینشن میں مبتلا ہوتا ہے نا بالکل اسی طرح جب اللہ کی طرف سے کچھ حالات آتے ہیں اور اللہ کو نہیں پہچانتا تو یہ ڈپریس ہو جاتا ہے ٹینشن کا شکار ہو جاتا ہے۔ کس پر سہارا رکھے کس سے امید باندھے کس پر بھروسہ کرے۔ جانتا ہی نہیں ہے اللہ کو۔ بس ڈپریس ہو جاتا ہے، ٹینشن کا شکار ہو جاتا ہے، پریشان ہو جاتا ہے، رات دن اسے نیند نہیں آتی، دن بھر اسے بھوک نہیں لگتی، بالکل یہی حال ہوتا ہے اس لئے کہ اس نے اللہ کو پہچانا ہی نہیں ہے۔

فتنے سے بچاؤ کا راستہ

اس لئے میرے عزیزو! اگر اللہ سے تعلق ہوگا تو اس (فتنة السراء/ مصیبت کا فتنہ) (جو دنیا میں ہر آدمی پر آتا ہے) سے بچ جائیں گے اور سوچیں گے کہ اس میں میرے لئے بھلائی ہے کہ اس آزمائش کی گھڑی میں میں اللہ سے کتنا مانگ رہا

ہوں، اس کے بغیر میں مانگتا ہی نہیں تھا، اس کی وجہ سے میرا دل صاف ہو گیا ہے۔

ارے! اس بیماری کی وجہ سے یہ ہوا کہ مجھے عافیت والی صحت والی نعمت کی قدر آ گئی ہے۔ ارے! اس آزمائش کی وجہ سے میرے دل کے اندر مصیبت زدہ لوگوں کی ہمدردی آ گئی ہے۔ ارے! اس آزمائش کی وجہ سے میری خطائیں معاف ہو گئیں ہیں۔ ارے! اس آزمائش کی وجہ سے میری آخرت سنور رہی ہے۔ ان سب چیزوں کو سوچے گا تو بات بن جائے گی۔ آنے والی آزمائش تو پھر بھی آئے گی لیکن اللہ کے قرب کا ذریعہ بن جائے گی۔

اللہ سے تعلق بڑھائیں

اس لئے میرے عزیزو! اللہ سے تعلق بڑھائیں اور جب بھی کوئی آزمائش آئے تو خوب اللہ سے مانگیں، خوب اللہ سے تعلق بنائیں۔ یہ علامت ہے اس بات کی کہ آنے والی زحمت حقیقت میں اس کے حق میں رحمت ہے، آنے والی مصیبت حقیقت میں نعمت ہے، آنے والے دکھ درد حقیقت میں اسے اللہ کے قریب کرنے والے ہیں۔ بڑے نصیب والے ہیں وہ مسلمان جو آزمائشوں کے بعد اپنے اللہ سے جڑ جاتے ہیں، ورنہ اگر آزمائش کے آنے کے بعد بھی اسی غفلت میں رہے، اسی معصیت میں رہے اور موت بھی اسی حال میں آ گئی تو بہت بڑی تباہی اور خسارے کی بات ہے۔ کوئی آزمائش یا دکھ درد آئے تو فوراً اللہ کی طرف متوجہ ہو جائیں، توبہ کر لیں تو یہ آزمائش رحمتوں اور برکتوں کا ذریعہ بن جائے گی۔

✿✿✿✿✿

خوشحالی کا فتنہ

بسا اوقات خوشحالی بھی فتنہ بن جاتی ہے۔ اس خوشحالی کے فتنہ میں مبتلا ہونا مصیبت میں مبتلا ہونے سے بڑی آزمائش ہے۔ پہلے نیک تھا دولت آ گئی تو نیکی ختم۔ پہلے مسجد کا عادی تھا زندگی کا معیار بدل گیا، اب مسجد میں آنے کو اپنے لئے عیب سمجھنے لگ گیا۔ پہلے اللہ کے سامنے جھک جایا کرتا تھا اب تکبر کے بول بولتا ہے، تکبر ہی کی چال چلتا ہے۔ پہلے بھی اللہ سے مانگ لیا کرتا تھا اب اپنی صلاحیتوں پر حد سے زیادہ نازاں ہو گیا ہے۔ جتنی مال و دولت کی فراوانی ہوتی چلی گئی اتنا ہی یہ اللہ سے دور ہوتا چلا گیا اس طرح یہ مال و دولت اس کے لئے فتنہ بن گیا۔

اوپر سے چل کر پار ہو گئے اور ان کے پاؤں بھی گیلے نہیں ہوئے بلکہ ان کی سب سے بڑی کرامت یہ تھی کہ قیصر و کسریٰ کے خزانوں کے ڈھیر ان کے گھروں میں لگ گئے لیکن اس کے باوجود انہوں نے اپنے دل کی دنیا کو گندہ نہیں ہونے دیا۔ بہت صاف وشفاف انداز سے دنیا سے گئے، دنیا کی محبت اپنے دل کے اندر نہیں آنے دی۔

وسائل کی کثرت بھی آزمائش ہے

تو میرے عزیزو! بسا اوقات خوشحالی اور وسائل زندگی کی کثرت بھی آدمی کو فتنوں میں مبتلا کر دیتی ہے کہ پہلے نیک تھا، دولت آ گئی تو نیکی ختم۔ پہلے مسجد کا عادی تھا، زندگی کا معیار بدل گیا تو اب مسجد میں آنے کو اپنے لئے عیب سمجھنے لگ گیا۔ پہلے اللہ کے سامنے جھک جایا کرتا تھا، اب تکبر کے بول بولتا ہے، تکبر کی چال چلتا ہے۔ پہلے کبھی اللہ سے مانگ لیا کرتا تھا، اب اسے اپنی صلاحیتوں پر حد سے کچھ زیادہ ناز ہو گیا ہے۔ جتنی مال و دولت کی فراوانی ہوتی چلی گئی اتنا ہی یہ اللہ سے دور ہوتا چلا گیا تو یہ مال و دولت اس کے لئے فتنہ بن گیا۔

خوشحالی کی بقا کی کوششیں کفر کا سبب بنتی ہیں

اگر ایک مرتبہ خوشحالی آ جائے تو اسے باقی رکھنا بھی تو کوئی آسان کام نہیں ہے۔ اسے باقی رکھنے کے لئے بندہ بڑے بڑے پاپڑ بیلتا ہے۔ اگر ایمان بڑھیا نہ ہو تو خوشحالی کی بقا کے لئے آدمی بسا اوقات کفر کو بھی اختیار کر لیتا ہے، سود کو بھی اختیار کر لیتا ہے اور لوگوں کے مال پر ہاتھ ڈالنے سے بھی نہیں گھبراتا۔

اس لئے کہ اس نے اپنا اسٹینس بچانا ہے، اپنی زندگی کے معیار کو برقرار رکھنا ہے۔ ادھر بھی ہاتھ مارے گا، ادھر بھی ہاتھ مارے گا، حلال وحرام کی تمیز ختم ہو جائے گی، جائز ناجائز کی تمیز ختم ہو جائے گی، امانت ودیانت کے سلسلے ختم ہو جائیں گے اس لئے کہ اس نے اپنی زندگی کا ایک معیار بنا رکھا ہے۔ اسے باقی رکھنا ہے چاہے اس کے لئے کچھ بھی کرنا پڑے تو اس لئے خوشحالی بھی بسا اوقات فتنہ بنتی ہے۔

اللہ والے دنیا میں منہمک نہیں ہوتے

اس لئے پیارے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ

"إنَّ عِبَادَ اللهِ لَيْسُوْا بِالْمُتَنَعِّمِيْنَ"

اللہ کے خاص بندے دنیا کی آسائش کی زندگی میں زیادہ انہماک اختیار نہیں کرتے (زیادہ رغبت نہیں رکھتے)

پیارے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے:

"عَرَضَ عَلَيَّ رَبِّيْ لِيَجْعَلَ لِيْ بَطْحَاءَ مَكَّةَ ذَهَبًا قُلْتُ لَا يَا رَبِّ وَلٰكِنْ أَشْبَعُ يَوْمًا وَأَجُوْعُ يَوْمًا"

(ترمذی، باب ما جاء فی الکفاف والصبر علی الاقتداء، ج۲ ص۶۱)

مجھ سے میرے رب کی جانب سے یہ کہا گیا کہ اگر آپ چاہیں تو اس مکہ کی وادی کو سونے سے بھر دیا جائے میں نے کہا: اے میرے رب! نہیں میں تو یہ چاہتا ہوں کہ ایک وقت ملے (تاکہ تیرا شکر بجا لاؤں) اور ایک وقت نہ ملے (تاکہ صبر کروں، اس طرح امت کے لئے آسانی ہو جائے، اس لئے کہ امت میں ہر قسم کے طبقے ہوں گے۔)

نبی ﷺ فقر کو پسند فرماتے تھے

آپ ﷺ کا فقر غیر اختیاری نہیں بلکہ اختیاری تھا کہ آپ ﷺ نے خود ہی نہیں چاہا۔ اللہ کی طرف سے تو اس بات کی بھی آفر ہوئی کہ مدینہ کی وادی سونے سے بھری ہوئی لے لو۔

ایک مرتبہ بحرین سے بہت سارا مال آیا حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم کو پتہ چلا تو فجر کی نماز میں مسجد نبوی میں بہت سارے حضرات اکٹھے ہو گئے کہ مال تقسیم ہوگا۔ حضور ﷺ نے سلام پھیرا تو سمجھ گئے کہ آج صحابہ کس لئے آئے ہیں تو فرمایا:

"ابشروا وأملوا ما يسركم"

خوشخبری لے لو امید رکھو اور بھرلو (اٹھالو) وہ چیز جو تمہیں خوش کر رہی ہے۔

لیکن ساتھ ہی یہ بھی فرمایا:

"واللہ لا الفقر أخشى عليكم" (بخاری، باب جزیہ، ج۱، ص۴۴۷)

اللہ کی قسم مجھے تمہارے بارے میں فقر کا اندیشہ نہیں ہے۔

بلکہ مجھے اس بات کا اندیشہ اور خدشہ ہے کہ تمہارے لئے دنیا کی فراوانی ہو جائے گی اور اس فراوانی کے اندر تم ایسے مشغول ہو جاؤ گے کہ یہ دنیا تمہیں ہلاک کر دے گی۔

حضرت خباب بن ارت رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ ہم نے حضور ﷺ کے ساتھ ہجرت کی تو ہم میں سے بعض وہ تھے جنہوں نے اللہ کے لئے ہجرت کی اور اپنا اجر دنیا میں ضائع نہیں کیا یعنی وہ فقیری کی حالت میں دنیا سے چلے گئے اور اپنا سارا معاملہ آخرت پر چھوڑ گئے کہ آخرت میں اپنا اجر اللہ تعالیٰ سے لیں گے۔

حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ کا فقر

ان میں حضرت مصعب بن عمیر رضی اللہ عنہ بھی تھے جنہوں نے اللہ کی راہ میں ہجرت کی قربانی دی اور جب دنیا سے گئے تو اس حال میں گئے کہ آپ کے جسم پر کفن بھی پورا نہیں تھا حالانکہ اسلام لانے سے پہلے بڑے مالدار تھے۔ دو، دو سو درہم کا جوڑا پہنا کرتے تھے، بہت اعلیٰ قسم کا عطر استعمال کیا کرتے تھے، بڑی اعلیٰ پوشاک ہر وقت ان کے جسم پر ہوا کرتی تھی، مکہ میں بڑے ناز و نعم میں پرورش والے نوجوانوں میں سے ایک تھے لیکن اسلام لانے کے بعد یہ حالت ہوئی کہ شہادت کے بعد کفن کی چادر بھی پوری نصیب نہیں ہوئی۔

(صحیح بخاری، [illegible])

ایک مرتبہ حضرت عبدالرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ کے سامنے روزہ کی حالت میں افطاری کے وقت افطار کرنے کے لئے کھانا پیش کیا گیا تو فرمانے لگے کہ

"قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَهُوَ خَيْرٌ مِنِّي"

مصعب بن عمیر شہید ہوگئے حالانکہ وہ مجھ سے بہتر تھے۔

پھر فرمایا کہ ڈر یہ لگتا ہے کہ انہیں پورا کفن بھی نہ ملا ہم اتنا کھا رہے ہیں، پی رہے ہیں۔ یہ فرمایا اور روتے روتے کھانا بھی بھول گئے۔

(صحیح بخاری، کتاب [illegible])

اس لئے اللہ رب العزت نے کفار کے بارے میں فرمایا:

﴿أَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِي حَيَاتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا﴾

(۲۶، الاحقاف: ۲۰)

تم اپنی نعمتوں کے مزے دنیاوی زندگی میں خوب لے چکے ہو اور ان سے

خوب لذت حاصل کر چکے ہو۔

حضرات صحابہ جب یہ آیات سنتے تو کانپنے لگتے، ان پر کپکپی طاری ہو جاتی کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ ہمارے ساتھ بھی جو فراوانی کا سلسلہ ہے وہ اسی قبیل کا ہو کہ ہماری ساری نیکیوں کا بدلہ کہیں یہاں پر ہی نہ مل جائے۔

سوچ کو بدلیے

میرے عزیزو! سوچ بدلنی چاہیے آج ہر شخص کی سوچ یہ ہے کہ جو ذرا سا دنیا کے لحاظ سے تنگ دست ہو تو اس کے بارے میں کہتے ہیں کہ اللہ اس سے ناراض ہے اور جس کے پاس دنیا کی خوب فراوانی ہو تو کہتے ہیں اللہ اس سے بڑا راضی ہے۔ کیسی عجیب سوچ ہے، یہ سوچ نہیں ہونی چاہیے۔ اللہ تعالیٰ دے دے تو اسے ضائع بھی نہیں کرنا چاہیے، اللہ دے دے تو اسے پھینکنا بھی نہیں چاہیے۔

اللہ کے ہاں قبولیت کا معیار دولت نہیں

یعنی سوچ یہ بنائی جانے کہ اللہ کے ہاں قبولیت کا معیار دولت کی کثرت نہیں ہے، دنیاوی وسائل کی کثرت نہیں ہے۔ اگر اللہ نے بہت دے بھی دیا تو اس کے اندر انہماک نہ ہو کہ ہر وقت اچھے سے اچھا پہننے کی فکر، اچھی سے اچھی سواری کی فکر، اعلیٰ سے اعلیٰ رہائش کی فکر تو ہو لیکن دین کی طرف، فرائض کی طرف، اپنی مذہبی ذمہ داریوں اور اللہ کے حقوق کے بارے میں کوئی فکر ہی نہ ہو۔ یہ سچے مسلمان کی سوچ نہیں ہے۔

دنیا کے عاشق کے آخری لمحات

میرے عزیزو! جب دنیا میں انتہائی منہمک شخص کا دنیا سے جانے کا وقت آتا ہے تو اس کی روح جسم کے ایک ایک رونگٹے کے اندر، ایک ایک بال کے اندر جا گھستی ہے اس لئے کہ اتنا بڑا بینک بیلنس چھوڑ کر جانے کو اس کا جی کہاں چاہتا ہے۔ اتنی دوکانیں، اتنے کارخانے، اتنی فیکٹریاں چھوڑ کر جانے کو جی کہاں چاہتا ہے۔ اتنا بڑا محل اتنا پیسہ چھوڑ کر جانے کو جی کہاں چاہتا ہے، دنیا کی نعمتیں اور مزے چھوڑنے کو دل نہیں چاہتا اس لئے زندگی کے آخری لمحات میں اس کی روح جسم کے ایک ایک بال کے اندر گھس جاتی ہے، جسے فرشتے انتہائی سختی کے ساتھ کھینچ کر باہر نکالتے ہیں اس لئے دنیا سے محبت کرنے والے شخص کی روح انتہائی مشکل اور اذیت کے بعد نکلتی ہے۔

نیک بندے کی روح آسانی سے نکلتی ہے

اور جو شخص نیک ہوتا ہے اور آخرت میں اپنے لئے محلات، کوٹھیاں، بنگلے، کھیتیاں، باغات، نہریں، حوریں، اور جواہرات تیار کر لیا کرتا ہے تو اس کی روح اس کے جسم سے ایسے نکلتی ہے جیسے آٹے کے اندر سے بال نکل جاتا ہے۔ آپ نے پنجرے میں قید پرندہ تو دیکھا ہوگا کہ وہ پنجرے کے اندر کس طرح تڑپ رہا ہوتا ہے کہ کب پنجرے کا دروازہ کھلے اور میں اڑ جاؤں۔ بالکل اسی طرح مومن بندے کی روح کا حال ہوتا ہے کہ جیسے ہی فرشتے روح قبض کرنے کے لئے آتے ہیں تو اس کی روح جسم سے یوں آسانی سے نکل جاتی ہے جیسے آٹے سے بال کو نکال لیا

جاتا ہے، اس لئے کہ ابھی تک تو روح جیل میں تھی، ابھی آزادی ملی ہے تو جلدی سے نکل کر جنت کا رخ کرتی ہے اور وہاں جا کر اپنا ٹھکانہ پکڑتی ہے۔ ارشاد نبوی ہے:

"اَلدُّنْیَا سِجْنُ الْمُؤْمِنِ" (مشکوۃ المصابیح، کتاب الرقاق، ص ۴۳۹)

دنیا مومن کا قید خانہ ہے۔

ارے دنیا تو مومن کے لئے جیل ہے، اس کی روح اس پنجرے کے اندر ہے جیسے ہی اسے آزادی کا پروانہ ملتا ہے، خوشی کے مارے فوراً نکل جاتی ہے۔

اس لئے میرے عزیزو! وہاں کی خوشحالی کی فکر کریں اللہ تعالیٰ اس دنیا میں بھی دے دے تو اسے بھی ضائع نہیں کرنا ہے، اسے پھینکنا بھی نہیں ہے۔ یہ بھی نعمت ہے، لیکن اس خوشحالی میں انہماک پسندیدہ نہیں ہے۔ خوشحالی کے معیار کو برقرار رکھنے کے لئے اپنا ایمان خراب کرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے۔ اللہ کے دین کے لئے، دین سیکھنے کے لئے، دین کے کام کرنے کے لئے فرصت نہ ملے یہ پسندیدہ نہیں ہے۔ ایسی مشغولیت پسند نہیں ہے۔

خوشحالی کے فتنے سے نجات کا پہلا نسخہ

خوشحالی کے فتنے سے بچنے کے لئے پہلی چیز یہ ہے کہ اپنی زندگی میں قناعت پسندی کو لے کر آئیں۔ اس دنیا کے فتنہ سے بچنے کے لئے، خوشحالی کے فتنہ سے بچنے کے لئے اپنی زندگی کو قناعت پر لے کر آئیں اس لئے کہ میرے عزیزو! آمدنی ذاتی اختیار میں نہیں ہوا کرتی، آج اگر لاکھ آرہا ہے تو ضروری نہیں کہ کل بھی لاکھ ہی ملے۔ آج آمدنی اگر ڈیڑھ لاکھ ہے تو ضروری نہیں کہ کل بھی ڈیڑھ لاکھ ہو،

اس لئے اپنی زندگی کا معیار سادہ رکھیں۔ نبی کریم ﷺ کا ارشاد ہے:

"اَلَا تَسْمَعُوْنَ، اَلَا تَسْمَعُوْنَ اِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْاِیْمَانِ"

ارے سنتے نہیں! ارے سنتے نہیں! بے شک سادگی ایمان میں سے

ہے۔ (ایمان کا تقاضہ ہے) (ابوداؤد، کتاب الترجل، ج ۲ ص ۲۲۰ حدیث ۱)

اپنی زندگی کو ایک معیار پر رکھو، کھانے میں، پینے میں، سواری میں، رہائش میں، شادی میں، خوشی میں، غمی میں، معاملات میں، لین دین میں، تحفہ تحائف کی تقسیم میں ایک حد پر رکھو۔ اعتدال پسندی سے کام لو۔

شادی پر اتنے تحفے تحائف دینا، اتنا جہیز دے دینا بالکل درست نہیں ہے کہ کل دوسری بیٹی کی شادی کے موقع پر کنگال ہو جائے اور بینک سے سود لینے لگے۔ آج ایک بیٹے کی شادی پر اتنا لگا دیا تو کل دوسرے بیٹے کی شادی پر کیا کرو گے؟ ضروری نہیں کہ آمدنی اتنی ہی رہے۔ سلسلہ وہی ہو، حالات بدلتے رہتے ہیں۔

اس لئے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا چونکہ آمدنی تمہارے اختیار میں نہیں ہیں اس لئے اپنی زندگی میں قناعت لے کر آؤ۔ سادگی لے کر آؤ، زندگی کو ایک سطح پر لے کر آؤ، چادر سے زیادہ پاؤں نہ پھیلاؤ۔ پھیلاؤ گے تو مسئلہ ہو جائے گا، پھر ہاتھ پھیلانے پڑیں گے، بھیک مانگنی پڑے گی، بینکوں کے دروازے کھٹکھٹانے پڑیں گے، سودی اڈے آباد کرنے پڑیں گے۔ دشمن تو تیار بیٹھے ہیں کہ انہیں سودی سسٹم کے اندر ایسا جکڑ دیا جائے کہ گھر کی ہر چیز بینک سے لینی پڑے۔ اور پھر مغرب والوں کی طرح تیس تاریخ کے بعد جیب خالی ہو جائے، باپ بھی کہا

رہے ہے، بیٹا بھی کمارہا ہے، بیوی بھی کمارہی ہے، شوہر بھی کمارہا ہے، بیٹی اور بہن بھی کمارہی ہیں، سب ہی کمارہے ہیں اور ہیں بچیوں کو سب کی تنخواہیں خالی ہوجاتی تھیں۔

اس لئے کہ جتنا آتا ہے پانچ تاریخ تک بینک میں جمع کرادیا جاتا ہے، جو بچ جاتا ہے وہ بچیوں تک ختم ہوجاتا ہے پھر دوبارہ بینک سے لینا شروع کردیا جاتا ہے۔ دشمن اسی سسٹم میں آپ کو جکڑ رہے ہیں، ہر چیز کے لئے آپ کو سود دینے کے لئے تیار ہیں۔ جس میں ایک طرف اللہ سے اعلان جنگ اور ایمان کی بربادی ہے اور دوسری طرف زندگی کی بربادی ہے اس لئے اپنی زندگی کے وسائل کو مرتب کرکے دیکھیں جتنی آمدنی ہے، اس سے کم خرچہ کریں۔ اس بات کی پرواہ نہ کریں کہ لوگ کیا کہیں گے، لوگوں کے کہنے سے کچھ نہیں ہوتا۔ یہ سوچیں کہ اللہ کیا کہے گا، کبھی یہ بھی سوچ لیا کریں کہ کل قیامت میں کس حال میں جائیں گے؟ سچ کہہ رہا ہوں! جب زندگی کا معیار بڑھے گا تو ایمان خطرے میں پڑ جائے گا۔ بڑی گاڑی بچا کے رکھنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔

اس لئے کہ میرے عزیزو! سائیکل سے موٹر سائیکل پر آنا آسان ہے، موٹر سائیکل سے پانچ چھ لاکھ کی گاڑی پر آنا آسان ہے، لیکن پانچ چھ لاکھ کی گاڑی سے پھر موٹر سائیکل پر آنا بہت مشکل ہے۔ ۲۰ لاکھ کی گاڑی سے ۵ لاکھ کی گاڑی پر آنا بہت مشکل ہے، مرجائے گا مگر نہیں آئے گا۔ اس لئے کہ سوچے گا کہ لوگ کیا کہیں گے کہ پہلے کون سی گاڑی تھی اور اب کون سی ہے؟ جب اس کے پاس ۲۰ لاکھ کی گاڑی ہوگی تو بیٹا بولے گا کہ ابا میں بھی ۲۰ لاکھ کی لوں گا، میں اسکول میں پڑھتا

ہوں، یونیورسٹی میں پڑھتا ہوں، سب کے بچے ۴۰ لاکھ کی گاڑی میں آتے ہیں اور میں ۵ لاکھ کی گاڑی میں جاتا ہوں۔ مجھے اچھا نہیں لگتا۔ یہ بیچارا اندر ہی اندر سے احساس کمتری کا شکار ہو رہا ہے۔

ارے! اپنی نسلوں کو بچاؤ، اپنی اولادوں کو بچاؤ، اپنی زندگی کا معیار اسلامی بناؤ، انہیں بتاؤ کہ بیٹے ایمان ہے تو سب کچھ ہے۔ اس چکر میں نہ پڑو ورنہ چوری کرنی پڑے گی، رشوت لینی پڑے گی، ڈاکے مارنے پڑیں گے، خیانت کرنی پڑے گی، اپنا ایمان خطرے میں ڈالنا پڑے گا، بیٹیاں بھی نوکری کریں گی، بیویاں بھی نوکری کریں گی، بازاروں اور دفتروں میں سب ہی کی عزت نیلام ہو جائے گی، سب کچھ لٹ جائے گا۔

یہودی تو یہی چاہ رہے ہیں کہ ان کا ہر فرد گھروں سے نکل جائے۔ ایک طرف تو مہنگائی ہے اور دوسری طرف یہ تباہی کہ مسلمان کی زندگی کی ضروریات کی فہرست بڑھتی ہی چلی جا رہی ہے۔ ضروریات تو تھوڑی ہیں لیکن اس نے اپنی خواہشات کو بھی ضروریات کی فہرست میں شامل کر دیا ہے حالانکہ اس سے پہلے اس کی زندگی ان کے بغیر چل رہی تھی بلکہ اچھی گزر رہی تھی۔

اب بچی کے پاس بھی موبائل فون ہے، بیٹے کے پاس بھی ہے، جن کو بولنا بھی نہیں آتا ان کے ہاتھ میں بھی موبائل ہے۔ اس چیز کو ضرورت کا نام دے دیا گیا ہے، ارے اس عمر میں، اس حال میں انہیں گندگی کے آلات دو گے تو وہ برباد ہو جائیں گے۔

اس لئے میرے عزیزو! اللہ نے ہمیں خوبصورت اسلامی زندگی دی ہے

جس کا بنیادی نکتہ قناعت ہے۔ قناعت میں سادگی ہے، اسے اختیار کریں تاکہ معیار زندگی کو ایک سطح تک برقرار رکھا جاسکے، آمدنی زیادہ ہو اور خرچ کم ہو۔ تو خوشحالی کے فتنے سے بچنے کے لئے پہلا نسخہ اور علاج ''قناعت'' ہے۔

خوشحالی کے فتنے سے نجات کا دوسرا نسخہ

دوسری چیز یہ ہے کہ اگر اس فتنہ سے بچنا چاہتے ہیں تو جتنا اللہ تعالیٰ نے دیا ہے اس پر اللہ کا شکر ادا کرنا چاہئے۔ اللہ پاک کا فرمان ہے:

﴿كُلُوْا مِنْ طَيِّبٰتِ مَا رَزَقْنٰكُمْ وَاشْكُرُوْا لِلّٰهِ﴾ (سورۃ البقرۃ: ۱۷۲)

کھاؤ وہ پاکیزہ چیزیں جو ہم نے تمہیں عطا کی ہیں اور اللہ کا شکر ادا کرو۔

اللہ کا خوب شکر بجا لاؤ، اور شکر کی حقیقت تین چیزیں ہیں۔ ایک زبان سے اللہ کا شکر، دوسرا دل سے یہ کہے کہ اے اللہ یہ سب کچھ تیرے فضل سے ہے میرا کوئی کمال نہیں۔ تیری عطاء ہے، تیری نعمت ہے، اگر تو نہ چاہتا تو میں فقیر اور محتاج ہوتا۔ زبان سے الحمد للہ کہے اور دل کہے کہ یہ سب اللہ کا عطا کردہ ہے اور تیسری چیز جو شکر کی حقیقت میں داخل ہے کہ اللہ نے جو نعمت دی ہے اس میں اللہ کی نافرمانی نہ ہو اس کو اللہ کی اطاعت میں استعمال کیا جائے۔ (تفسیر ابن کثیر، ص ۱۵۹، دار الکتب العلمیہ)

اگر اللہ تعالیٰ نے مال دیا ہے تو اس سے اللہ کو ناراض نہ کیا جائے۔ گھر دیا ہے تو اس کے اندر گندگی کے آلات نہ رکھے جائیں، جو نعمت دی ہے اللہ نے اس کے اندر اللہ کی نافرمانی نہ ہو تو اگر قناعت ہوگی، شکر ہوگا تو اللہ کی ذات سے امید ہے کہ یہ مالداری ہمارے لئے فتنہ نہیں بلکہ نجات کا ذریعہ ہوگی، یہ خوشحالی ہمارے لئے باعث کامیابی ہوگی۔

جیسے حضرت عبد الرحمن بن عوف رضی اللہ عنہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ اور اللہ کے دوسرے نیک بندے تھے، ان کے ساتھ بھی معاملہ تھا۔ امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ بہت بڑے تاجر تھے لیکن دل کے اندر مال کی محبت نہیں تھی، اس لئے خوب دین کا کام کرتے تھے، انہوں نے دین کا اتنا کام کیا کہ آج ۱۰ فیصد مسلمان حضرت امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کی دینی محنت کی برکت سے دین پر چل رہے ہیں۔ انہوں نے اپنی دولت کو اللہ کے دین کی اشاعت کے لئے استعمال کیا، اپنی زندگی ایک سطح پر رکھی، یہ نہیں کیا کہ مال آ گیا تو زندگی کا اسٹینڈرڈ بڑھ گیا اور اگر نہیں آیا تو غریبی کی زندگی گزارنے لگے۔ نہیں بلکہ اسے ایک معیار پر رکھا، ایک حالت پر رکھا تو ہم بھی اگر ان تمام چیزوں کا اہتمام کریں گے تو ان شاء اللہ اس خوشحالی کے فتنے سے محفوظ رہیں گے۔

✿✿✿✿✿

فتنوں سے بچاؤ کی راہ

فتنوں سے نجات پانے اور ان سے بچنے کے لئے حضور ﷺ نے کچھ اسباب بتائے ہیں، جنہیں اختیار کر کے آدمی ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ ان میں سے کچھ اسباب یہ ہیں۔ دعاؤں کا اہتمام کرنا، علماء ربانیین اور صلحاء کی صحبت اختیار کرنا اور ان کے ساتھ تعلق قائم کرنا، اچھی صحبت، اچھی سوسائٹی اور اچھے دوست اختیار کرنا، دین کے صحیح علم کے ساتھ دین کی صحیح سمجھ حاصل کرنا۔

اس عنوان کے تحت یہ بات عرض کی جائے گی کہ موجودہ دور کے ان فتنوں سے نجات پانے اور ان سے بچاؤ کی کیا صورتیں ممکن ہیں؟

تو میرے عزیزو! اس سلسلے میں آپ ﷺ نے جو اسباب بتائے ہیں اگر انہیں عمومی طور پر اختیار کر لیا جائے تو ہر شخص ان تمام فتنوں سے (جن کا تذکرہ پیچھے گزر چکا ہے) محفوظ ہو جائے گا۔ اس لئے کہ انسان اس دنیا میں رہ رہا ہے اور اس دنیاوی زندگی میں اس کے ساتھ معاملہ یہ ہے کہ ایک طرف شیطان ہے اور دوسری طرف اس کا نفس ہے۔ شیطان اسے گمراہ کر رہا ہے، نفس اسے دھوکہ دے رہا ہے، خواہش اسے بھٹکا رہی ہے، کافر اس سے قتال کر رہے ہیں، منافق اس کی ٹوہ میں لگا ہوا ہے کہ موقع ملے تو وار کروں، مسلمان اسے ایذا دے رہا ہے۔ دنیا کے اتنے سارے مسائل میں یہ گھرا ہوا ہے۔ تو ایسے مواقع کے لئے حضور ﷺ نے کچھ اسباب، عمل اور اقدامات تجویز فرمائے ہیں جنہیں اختیار کر کے آدمی ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہ سکتا ہے۔

فتنوں سے بچاؤ کا پہلا اقدام

ان میں پہلی چیز ہے (التعوذ والدعاء) یعنی اللہ کی پناہ مانگنا اور دعاؤں کا اہتمام کرنا۔ دعا اگر سچے دل سے مانگی جائے تو تقدیر کو بھی بدل دیا کرتی ہے۔

حدیث پاک میں ارشاد ہے:

"لَا یَرُدُّ الْقَدَرَ اِلَّا الدُّعَاءُ" (ترمذی، باب القدر)

دعا ایسی چیز ہے جو تقدیر کو بھی بدل دیتی ہے۔

اس لئے دعا کے بارے میں فرمایا کہ یہ مومن کا اسلحہ ہے۔ جب تک مسلمان اس سے مسلح رہتا ہے تو ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہتا ہے۔ اگر کسی کے ہاتھ میں بندوق ہو، بالکل ٹھیک بندوق اور جس کے پاس بندوق ہو وہ بھی بڑا تجربہ کار ہو، درمیان میں کوئی رکاوٹ بھی نہ ہو تو بندوق کا نشانہ ٹھیک لگے گا اور اگر بندوق ہی خراب ہو یا بندوق چلانے والا ہی ناتجربہ کار ہو یا درمیان میں کوئی ایسی رکاوٹ ہو کہ گولی ہدف تک نہ پہنچ سکتی ہو تو پھر بات نہیں بنے گی۔ اسی طرح دعا کے اندر بھی یہ تینوں چیزیں ہیں۔ دعا کے قبول ہونے کے لئے بھی تین چیزوں کا خیال رکھنا پڑتا ہے۔ یا تو دعا ہی ٹھیک نہیں ہوتی کہ ایسی چیز کی دعا مانگ رہا ہے جو مانگنی ہی نہیں چاہئے۔ یا پھر دعا تو ٹھیک مانگ رہا ہے لیکن مانگنے والا ٹھیک نہیں ہے۔ زبان کچھ اور کہہ رہی ہے اور دل کہیں اور متوجہ ہے۔ یا پھر دعا بھی ٹھیک ہے لیکن اس نے گناہوں کی اتنی بڑی دیوار بیچ میں کھڑی کر رکھی ہے کہ دعا نشانے پر لگ ہی نہیں رہی۔

تو اس بات کا اہتمام ہونا چاہئے کہ دعا بھی ٹھیک ہو، مانگنے والا بھی ڈھنگ سے مانگے اور ان ساری رکاوٹوں کو جو دعا کی قبولیت میں مانع ہیں، انہیں بھی دور کرے۔ اسی لئے تو اللہ رب العزت نے فرمایا، لوگو! مجھ سے مانگو میں تمہیں دیتا ہوں۔

﴿اُدْعُوْنِیْ اَسْتَجِبْ لَکُمْ﴾ (سورۃ المومن: ۶۰)

مجھ سے دعا کیا کرو میں قبول کروں گا۔

تو دعاؤں کا خوب اہتمام ہونا چاہیے۔ حضرات انبیاء علیہم السلام نے ہمیں دعاؤں کا اہتمام سکھایا ہے۔ حضرت یونس علیہ السلام پر آزمائش آئی تو انہوں نے دعا کا اہتمام کیا اور فرمایا:

﴿لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنْتَ سُبْحَانَكَ إِنِّي كُنْتُ مِنَ الظَّالِمِينَ﴾

(سورۃ الانبیاء: ۸۷)

آپ کے سوا کوئی معبود نہیں، آپ پاک (بے عیب) ہیں، بے شک میں ظلم کرنے والوں میں سے تھا۔

اللہ سے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے دعا قبول کرلی اور انہیں بچالیا۔

﴿فَاسْتَجَبْنَا لَهُ وَنَجَّيْنَاهُ مِنَ الْغَمِّ﴾ (سورۃ الانبیاء: ۸۸)

پھر ہم نے اس کی فریاد سن لی اور اسے غم سے نجات دے دی۔

حضرت یونس علیہ السلام نے رب سے دعا کی، مولیٰ سے فریاد کی تو اللہ تعالیٰ نے فریاد کو قبول کرلیا۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے دعائیں سکھائی ہیں اور بتائی ہیں کہ ان کا اہتمام کرلیا کرو۔ پیارے رسول ﷺ فرمایا کرتے تھے:

" تَعَوَّذُوا بِاللهِ مِنَ الْفِتَنِ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ "

(مشکوۃ المصابیح، باب اثبات عذاب القبر ج۱ ص۲۵)

اللہ تعالیٰ سے ظاہری اور پوشیدہ فتنوں سے پناہ مانگا کرو۔

ہر قسم کے فتنوں سے اللہ کی پناہ میں آجایا کرو چاہے وہ ظاہری ہوں یا چھپے ہوئے ہوں۔ ایک مرتبہ رسول کریم ﷺ نماز پڑھ کر فارغ ہوئے تو یہ دعا مانگنے لگے:

" اَللّٰهُمَّ إِنِّي أَسْأَلُكَ فِعْلَ الْخَيْرَاتِ وَتَرْكَ الْمُنْكَرَاتِ وَحُبَّ الْمَسَاكِينِ وَإِذَا أَرَدْتَ بِعِبَادِكَ فِتْنَةً فَاقْبِضْنِي إِلَيْكَ غَيْرَ

مفتونین" (ترمذی، ابواب تفسیر، ج ۲ ص ۱۵۹)

ساری دعائیں کرنے کے بعد آخر میں فرمایا کہ اے اللہ! جب تو لوگوں کو دنیا کے اندر فتنوں میں مبتلا کرنے لگے تو اس سے پہلے مجھے اپنے پاس بلا لینا، مجھے فتنوں میں مبتلا ہونے والوں میں شامل نہ فرمانا۔ اس دعا میں نکتہ یہ ہے کہ فتنوں سے بچنے کی اہمیت واضح کی گئی ہے۔ اس لئے ضروری ہے کہ جب ہم کسی آزمائش میں نہ بھی ہوں تب بھی اپنے اللہ کو نہ بھولیں، اس لئے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

"تعرف الی اللہ فی الرخاء یعرفک فی الشدۃ" (مسند احمد ج ۱ ص ۳۰۷)

عافیت اور خوشی میں اپنے اللہ کو یاد کر، اللہ تجھے پریشانی اور آزمائش کی گھڑی میں یاد رکھے گا۔

یہی تو وجہ ہے کہ فرعون مصیبت میں گرفتار ہوا تو اس نے اللہ کو پکارا۔ یونس علیہ السلام مصیبت میں مبتلا ہوئے تو انہوں نے بھی اللہ کو پکارا، آپ کی فریاد تو اللہ نے قبول کر لی اس لئے کہ وہ اللہ کو یاد کیا کرتے تھے اور فرمایا:

﴿فلولا انہ کان من المسبحین﴾ (الصافات: ۱۴۳)

پس اگر وہ اللہ کو یاد کرنے والوں میں سے نہ ہوتا تو (اسے قیامت تک مچھلی کے پیٹ سے نجات نہ ملتی۔)

چونکہ پہلے اللہ تعالیٰ کو یاد کیا کرتے تھے لہٰذا مچھلی کے پیٹ سے نجات مل گئی اور جب فرعون نے پکارا تو نجات نہ ملی بلکہ اللہ تعالیٰ نے اسے کہا کہ

﴿آلآن وقد عصیت قبل وکنت من المفسدین﴾ (یونس: ۹۱)

ابھی یاد کرتا ہے جبکہ اس سے پہلے تو نے نافرمانی کی اور فساد کرنے والوں میں (شامل) رہا۔

ابھی یاد کر رہا ہے، ابھی یاد کر رہا ہے۔ پہلے نافرمانیاں کرتا رہا اور فساد کی بنا رہا، اب یاد کر رہا ہے!

ہر حال میں اللہ کو یاد کریں

اس لئے ہر حال میں جب اللہ کو یاد کرو گے تو پھر جب ضرورت درپیش ہوگی اور اللہ کے سامنے فریاد کرو گے تو فرشتے بھی سفارش کریں گے کہ اے اللہ یہ مانوس آواز ہے تو اسے قبول کر لے۔ اس لئے فتنوں سے بچاؤ کے لئے اہم ترین چیز یہ ہے کہ بندہ دعاؤں کا اہتمام کرے۔

سب کچھ اللہ تعالیٰ سے مانگیں

اب اللہ سے کیا مانگا جائے؟ تو میرے عزیزو! سبھی کچھ اللہ سے مانگنا چاہئے اس لئے کہ سارے جہانوں کے خزانے اللہ کے ہاتھ میں ہیں۔ ارشاد باری ہے:

﴿وَاِنْ مِّنْ شَیْءٍ اِلَّا عِنْدَنَا خَزَائِنُہٗ﴾ (سورۃ الحجر/۲۱)

اور ہر چیز کے خزانے ہمارے پاس ہی ہیں۔

اس لئے ہر چیز اللہ سے مانگیں لیکن کچھ چیزیں ایسی ہیں جن کے بارے میں رسول کریم ﷺ نے فرمایا یا اجمالی اہم ہیں، ان کے بعد یہ ہم، ان کے بعد یہ اہم تو اسی انداز سے دعاؤں کا اہتمام ہونا چاہئے، سب کچھ اللہ ہی سے مانگیں یہاں تک کہ چھوٹی سے چھوٹی چیز بھی اللہ سے مانگیں۔ پیارے نبی ﷺ اپنے پاؤں کا تسمہ بھی اللہ سے مانگا کرتے تھے۔ قرآن میں ایک اور چیز کے مانگنے کی طرف اشارہ ہے:

﴿وَاسْئَلُوا اللّٰہَ مِنْ فَضْلِہٖ﴾ (سورۃ النساء/۳۲)

اور اللہ سے اس کے فضل کا سوال (کیا) کرو۔

اللہ تعالیٰ کا فضل مانگو، دنیا بھی مانگو، اولاد بھی مانگو، کاروبار بھی مانگو، سب کچھ اسی سے ہی مانگو، ہر چیز اسی سے مانگی ہے لیکن کس ترتیب سے مانگی چاہیے اس کا اہتمام اور اس سے واقفیت انتہائی ضروری ہے، تا کہ سب سے پہلے چیز جو مانگنے کی ہے وہ سب سے پہلے مانگی جائے۔ اگر اس ترتیب سے اللہ سے مانگیں گے تو فتنوں سے بچ جائیں گے۔ اس حوالے سے سب سے اہم چیز ہدایت کا سوال ہے۔ اللہ سے ہدایت مانگیں۔ دیکھئے! اللہ میری اور آپ کی ضروریات، حاجات، نفسیات اور دنیا کے حالات سے خوب واقف ہے، اور جب اللہ نے بندے کو مانگنے کی تعلیم دی کہ مجھ سے یوں مانگو تو مانگنے کے اندر جو سب سے بنیادی بات بتائی، وہ یہ ہے:

﴿ اِهْدِنَا الصِّرَاطَ الْمُسْتَقِيمَ ﴾ (سورۃ الفاتحہ:۵)

اے اللہ! ہمیں سیدھا راستہ دکھا۔

تو اللہ فرماتا ہے کہ مجھ سے صراط مستقیم مانگو، میں دوں گا۔

پہلے نمبر پر مانگی جانے والی چیز

• سب سے پہلی چیز جو مانگنے کی ہے وہ ہدایت ہے جیسے حضرت علی رضی اللہ عنہ کا فرمان ہے کہ رسول کریم ﷺ ہمیں یہ دعا سکھایا کرتے تھے کہ علی یوں دعا کرو:

"اَللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَسْئَلُكَ الْهُدٰى وَالسَّدَادَ" (صحیح مسلم، باب ...)

اے اللہ! ہم آپ سے ہدایت اور درستگی (صحیح سمجھ اور راستے) کا سوال کرتے ہیں۔

ہمیں سیدھا راستہ اور صراط مستقیم نصیب فرما۔ یوں نبی کریم ﷺ اپنے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم کو دعا سکھایا کرتے تھے۔

دوسرے نمبر پر مانگی جانے والی چیز

• دوسرے نمبر پر جو چیز مانگنے کی ہے وہ ہے (سوال المغفرة من الذنوب) یعنی اللہ تعالیٰ سے گناہوں کی معافی۔ تاکہ گناہ کی رکاوٹیں ختم ہو جائیں جو چیز (مال ودولت اور دنیا) ہم آگے مانگنے جا رہے ہیں، اس کے لئے رکاوٹ ختم ہو جائے اس لئے کہ جب صلح ہو جائے گی تو بقیہ کام آسان ہو جائیں گے۔

ارے جب کوئی دوست بنالے گا، وہ دوست بنانے والا اگر با اختیار ہوگا تو میری ضرورتیں خود ہی دیکھ لے گا کہ میرے دوست کو کس چیز کی ضرورت ہے؟ کیا بیماری ہے؟ کیا پریشانی ہے؟ تو اللہ سے اپنا تعلق صحیح کر لو، اللہ سے دوستی کر لو، سب چیزیں مل جائیں گی، سارے مسائل حل ہو جائیں گے۔

ارے میرے عزیزو! اگر کوئی آپ سے ناراض ہو تو آپ پہلے اس سے حاجت نہیں مانگتے بلکہ پہلے اس کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں، درخواست بعد میں دیتے ہیں، پہلے اس کی غلط فہمیاں دور کرتے ہیں، آپ کے بارے میں اس کی جو بدگمانیاں ہیں وہ دور کرتے ہیں، بالکل ایسے ہی اللہ سے صلح کی جائے، گناہوں کی معافی مانگی جائے اور اللہ تعالیٰ معافی مانگنے والے کو معاف کر دیتے ہیں۔ ارشاد ہے:

﴿وَاِنِّیْ لَغَفَّارٌ لِّمَنْ تَابَ وَاٰمَنَ وَعَمِلَ صَالِحًا ثُمَّ اهْتَدٰی﴾

(سورۃ طہ: ۸۲)

اور بے شک میں ان لوگوں کو بہت معاف کرنے والا ہوں جنہوں نے توبہ کی اور ایمان لایا اور نیک کام کئے، پھر سیدھی راہ پر قائم رہے۔

جو توبہ کرتا ہے میں اسے خوب معاف کرتا ہوں۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے

روایت ہے کہ اللہ رب العزت فرماتے ہیں:

"یا ابن آدم انک ما دعوتنی ورجوتنی غفرت لک ما کان منک ولا ابالی یا ابن آدم لو بلغت ذنوبک عنان السماء ثم استغفرتنی غفرت لک ولا ابالی یا ابن آدم لو اتیتنی بقراب الارض خطایا ثم لقیتنی لا تشرک بی شیئا لاتیتک بقرابها مغفرة" (مشکوٰۃ المصابیح باب الاستغفار والتوبۃ ص ۲۰۴)

اے آدم کے بیٹے! مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں (مجھے اس کی کوئی فکر نہیں) کہ تو اتنے گناہ کرے کہ تیرے گناہوں کا ڈھیر آسمان تک پہنچے، مجھے اس کی کوئی پرواہ نہیں کرتا۔ اتنے گناہ لے کر آئے جن سے زمین و آسمان کا خلا پر ہو جاتا ہو لیکن اگر میرے پاس میرے اوپر ایمان رکھتے ہوئے آئے گا (اور) شرک نہ کرتا ہوگا تو میں اس سے زیادہ تیرے پاس اپنی مغفرت لے کر آؤں گا۔

تو دوسرے نمبر پر اللہ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگنی چاہئے۔

تیسری چیز

• تیسری چیز جو مانگنے کی ہے وہ ہے (سؤال الجنة والاستعاذة من النار) یعنی جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ۔

ایک مرتبہ پیارے رسول ﷺ نے ایک دیہاتی سے پوچھا کہ تم نماز کے بعد کیا مانگتے ہو۔ اس نے کہا: یارسول اللہ! میں جنت کا سوال کرتا ہوں اور جہنم سے پناہ مانگتا ہوں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: بہت اچھا کرتے ہو یہی طریقہ ہے ایسے ہی مانگنا چاہئے۔ (ابوداؤد، باب تخفیف الصلوۃ ج۱ ص ۱۲۴ رحمانیہ)

چوتھی چیز

• چوتھی اور اہم چیز جو مانگی چاہئے وہ ہے (سوال العفو والعافیة فی الدنیا والآخرة) یعنی دنیا اور آخرت میں اللہ سے عافیت کا سوال۔ گناہوں کی معافی، جنت کی طلب اور جہنم سے پناہ کے بعد چوتھی نمبر پر اللہ سے عافیت مانگی جائے۔ حضرت عباس ﷺ فرماتے ہیں: ہم نے اللہ کے رسول سے پوچھا کہ ہم اللہ تعالیٰ سے کیا مانگیں؟ حضور ﷺ نے فرمایا:

"یَا عَبَّاسُ یَا عَمَّ رَسُوْلِ اللّٰہِ سَلِ اللّٰہَ الْعَافِیَۃَ فِی الدُّنْیَا وَالْآخِرَۃِ"

(ترمذی ج ۲ ص ۱۹۱)

اے عباس! اے اللہ کے رسول کے چچا! دنیا اور آخرت میں اللہ سے عافیت مانگو۔ (عافیت مل گئی تو سارے فتنوں سے بچ جاؤ گے۔)

پانچویں چیز

• پانچویں چیز جو مانگی چاہئے وہ ہے (سوال الثبات علی الدین حتی الممات وحسن العافیة فی الامور کلها) یعنی دین پر استقامت اور حسن خاتمہ کی دعا۔ دین پر ثابت قدمی کے لئے نبی ﷺ نے یہ دعا سکھائی ہے۔

"اَللّٰھُمَّ مُصَرِّفَ الْقُلُوْبِ صَرِّفْ قُلُوْبَنَا عَلٰی طَاعَتِکَ وَثَبِّتْ قُلُوْبَنَا عَلٰی دِیْنِکَ" (صحیح مسلم ج ۲ ص ۳۳۵)

اے اللہ! اے دلوں کو پھیرنے والے! ہمارے دلوں کو (ہر گندگی سے پھیر کر) اپنی طاعت پر لگا دے۔ ہمارے دلوں کو دین پر جما دے، ثابت قدمی نصیب فرمادے۔

چھٹی چیز

• چھٹی چیز جو مانگنی چاہئے وہ ہے (سوال اللہ دوام النعمۃ والاستعاذۃ من زوالھا) یعنی اللہ کی عطا کردہ نعمتوں کے دوام (ہمیشہ باقی رہنے) اوران کے زائل نہ ہونے (ختم نہ ہونے) کا سوال کرنا۔ اللہ تعالیٰ نے جو نعمتیں دے رکھی ہیں عزتیں دے رکھی ہیں، خوشحالی دے رکھی ہے، ان کے لئے اللہ سے دعا کی جائے کہ اے اللہ! اب ان نعمتوں سے محروم نہ فرمائیے گا۔ پیارے نبی ﷺ نے نعمتوں کے باقی رہنے کے لئے عجیب دعا سکھائی ہے:

"اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُ بِکَ مِنْ زَوَالِ نِعْمَتِکَ وَ تَحَوُّلِ عَافِیَتِکَ وَ فُجَاءَۃِ نِقْمَتِکَ وَ جَمِیْعِ سَخَطِکَ" (صحیح مسلم رقم ۲۷۳۹)

اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں نعمتوں کے زائل ہونے سے، عافیت کے پھر جانے سے اچانک مصیبت کے آجانے سے اور تیری ہر قسم کی ناراضگی سے۔

یہی چیز تو اللہ سے مانگنی چاہئے اور یہ مانگنا ہی ہماری کامیابی کا راستہ ہے۔

ساتویں چیز

• ساتویں چیز جو مانگنی چاہئے وہ یہ ہے کہ ہر قسم کی آزمائش سے پناہ مانگی جائے۔ پیارے رسول ﷺ اس سلسلے میں یوں دعا مانگا کرتے تھے۔

"کَانَ یَتَعَوَّذُ مِنْ سُوْءِ الْقَضَاءِ وَدَرْکِ الشَّقَاءِ وَمِنْ شَمَاتَۃِ الْاَعْدَاءِ وَمِنْ جَھْدِ الْبَلَاءِ" (صحیح بخاری کتاب الدعوات رقم ۶۳۴۷)

(آپ ﷺ یہ دعا فرمایا کرتے تھے) اے اللہ میں تیری پناہ میں آتا ہوں ہر

قسم کے برے فیصلے سے اور بدبختی کے آنے سے اور دشمن کی زیادتی سے اور امتحان کی تکلیف سے۔

اس ترتیب سے دعائیں کی جائیں تو ان شاء اللہ ان دعاؤں کی برکت سے بندہ ہر قسم کی آزمائشوں سے اور ہر قسم کے فتنوں سے محفوظ رہے گا۔

دعا کی قبولیت کے لوازمات

میرے عزیز و! دعا کی قبولیت کے لئے چند چیزیں ایسی ہیں جو بہت موثر ہیں اور ان کا خیال رکھنا ازحد ضروری ہے۔

✤ پہلی چیز اخلاص ہے۔ دعا خالص اللہ کے لئے کی جائے اس لئے کہ دعا عبادت ہے تو صرف اللہ کے لئے ہو، ریا، دکھلاوا، شہرت کے لئے نہیں بلکہ اللہ کو راضی کرنے کے لئے ہو۔

✤ دوسری چیز ہے (المتابعة للنبی ﷺ) یعنی دعا میں نبی ﷺ پر درود بھیجا جائے۔

✤ تیسری چیز اللہ پر اعتماد اور دعا کی قبولیت کا یقین ہے۔ خوب یقین اور اعتماد کے ساتھ دعا کی جائے۔

✤ چوتھی چیز دل کی توجہ ہے۔ دل کی توجہ کے ساتھ دعا کی جائے۔ جو زبان سے کہہ رہا ہے دل بھی ادھر ہی متوجہ ہو۔

✤ پانچویں چیز (العزم والحزم والجد فی الدعاء) ہے یعنی دعا کے اندر خوب کوشش اور محنت کی جائے، بار بار ایک ہی چیز مانگی جائے۔ کبھی بھکاری کو دیکھا

ہے کہ جان ہی نہیں چھوڑتا، پیچھے ہی پڑ جاتا ہے آخر کار کچھ نہ کچھ دے کر ہی جان چھڑانا پڑتی ہے۔ تو دعا کے اندر بھی اسی طرح جان لگائی جائے۔ خوب مانگا جائے۔ مانگتے رہیں کیونکہ ملے گا اسی در سے۔ یہی دربار ہے ملنے کا بس اور کوئی نہیں۔ ان پانچ چیزوں کا دعاؤں میں اہتمام رکھیں۔

ان شاء اللہ اللہ پاک اپنا فضل و کرم نازل فرمائیں گے اور دعائیں قبول ہوں گی۔

دعا کی قبولیت کے موانع

اسی طرح میرے عزیزو! بعض چیزیں ایسی ہیں جو دعا کی قبولیت کے لئے رکاوٹ ہیں۔

- پہلی چیز ہے (التوسع فی اکل الحرام اکلاً و شرباً و لبساً و تغذیۃ) یعنی حرام کھانے میں احتیاط نہ کرنا بلکہ کثرت سے حرام کھانا۔ حرام کھانے، حرام پہننے، حرام پینے اور حرام لقمہ کھانے سے دعا قبول نہیں ہوتی۔
- دوسری چیز ہے (الاستعجال) یعنی دعا میں جلدی کرنا۔ اس سے بھی دعا قبول نہیں ہوتی۔ ارے میاں تم خدا تو نہیں ہو، تم تو اس کے بندے ہو۔ وہ حکیم و علیم ذات ہے جب چاہے گا تو تمہارے حق میں اس کا فیصلہ فرما دے گا۔ تمہارا کام تو مانگتے ہی رہنا ہے، جلدی نہ کرو، اگر جلدی مچاؤ گے تو دعا کی قبولیت سے محروم ہو جاؤ گے۔
- تیسری چیز ہے (الدعاء باثم او قطیعۃ رحم) یعنی ایسی دعا کرنا

جس میں گناہ ہے، مثلاً قطع تعلق کی دعا کر رہا ہے۔ گناہ والی دعا بھی قبول نہیں ہوتی۔

● چوتھی چیز ہے (ترک الواجبات التي اوجبها الله) یعنی اللہ کی طرف سے مقرر کئے گئے فرائض و واجبات کو ترک کرنا۔ جب اللہ پاک کے حقوق و فرائض ہی ادا نہیں کئے جائیں گے تو پھر دعائیں کیسے قبول ہوں گی؟ اثر کیسے دکھائیں گی؟

● پانچویں چیز ہے (ارتکاب المعاصي والمحرمات) یعنی گناہوں اور معاصی کا ارتکاب۔ دعا بھی ٹھیک کر رہا ہے، وہ دعا کرنے میں بڑی محنت اور کوشش بھی کر رہا ہے لیکن گناہوں کی ایک بہت بڑی دیوار بیچ میں حائل ہے، اس لئے کہ گناہ اور معاصی بھی مسلسل کر رہا ہے لہٰذا دعا قبول نہیں ہو رہی ہے۔

یہ پانچ چیزیں دعا کی قبولیت میں رکاوٹ ہیں انہیں دور کیا جائے اور دعا کی قبولیت کے لئے جو اعمال معاون ہیں ان کا اہتمام کیا جائے تو فتنوں سے محفوظ رہنے کے لئے دعا بہترین اسلحہ بن جاتی ہیں۔

تو میرے عزیزو! ان عمومی فتنوں سے بچنے کے لئے ایک سبب تو پیارے رسول ﷺ نے دعاؤں کا اہتمام بتایا ہے اور فتنوں سے پناہ مانگنے کا حکم دیا ہے اور یہ دعاؤں کا اہتمام ہر وقت ہر گھڑی کیا جائے تو ان کی برکت سے اللہ رب العزت بندے کو گمراہیوں سے بچا کر ایک محفوظ قلعے کے اندر پہنچا دیتا ہے۔

فتنوں سے بچاؤ کا دوسرا اقدام

فتنوں سے محفوظ رہنے کے لئے دوسرا اقدام جو پیارے رسول ﷺ نے بتایا

ہے وہ ہے (مصاحبۃ اھل العلم والصالحین) یعنی علماء ربانیین کی صحبت، ان کے ساتھ مجالست، صلحاء کے ساتھ تعلق، اچھی سوسائٹی اور اچھے دوست۔ جب تک کوئی اچھے ماحول کے ساتھ جڑا رہتا ہے تو کسی بھیڑیے کو حملہ کرنے کا موقع نہیں ملتا۔ کوئی بے دین بھیڑیا یا شیطان نما انسان دین پر حملہ کرنے کا موقع نہیں پاتا اس لئے کہ جہاں کہیں اسے شبہات کا سامنا ہوتا ہے تو وہ کسی عالم ربانی کی صحبت میں جا کر اپنا معاملہ صاف کر لیتا ہے یا ان علماء کی صحبت میں مسلسل بیٹھنے سے دین کی اتنی باتیں اسے معلوم ہو جاتی ہیں کہ پھر شبہات اس کے دل پر اثر انداز نہیں ہوتے۔ اس لئے رسول کریم ﷺ نے اس کی بڑی اہمیت بتائی ہے۔ اس لئے لازم ہے کہ آدمی صحبت اور سوسائٹی اچھی بنائے، دوست اچھے بنائے، علمائے ربانیین کی صحبت کو اپنی زندگی کا وظیفہ بنائے۔ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں نبی ﷺ سے فرمایا ہے:

﴿وَاصْبِرْ نَفْسَكَ مَعَ الَّذِينَ يَدْعُونَ رَبَّهُم بِالْغَدَاةِ وَالْعَشِيِّ يُرِيدُونَ وَجْهَهُ﴾ (سورۃ الکہف: ۲۸)

آپ اپنے آپ کو ان لوگوں کے ساتھ جوڑے رکھیں جو صبح و شام اللہ کو یاد کرتے ہیں اور ان کا مقصود صرف اللہ کی رضا ہے۔

حضور ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ اللہ نے میری امت میں ایسے قیمتی لوگ پیدا فرمائے ہیں کہ جن کے ساتھ مجھے بھی اٹھنے بیٹھنے کا حکم دیا گیا ہے۔ یہ درحقیقت امت کے لئے تعلیم ہے اس لئے کہ اچھے لوگوں کے ساتھ بیٹھنا یہ خود اس کے اچھا ہونے کی علامت ہے۔ اسی لئے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا:

"إِنَّمَا مَثَلُ الْجَلِيسِ الصَّالِحِ وَالْجَلِيسِ السُّوءِ كَحَامِلِ الْمِسْكِ

وَنَافِخِ الْكِيرِ فَحَامِلُ الْمِسْكِ إِمَّا أَنْ يُحْذِيَكَ وَإِمَّا أَنْ تَبْتَاعَ مِنْهُ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا طَيِّبَةً وَنَافِخُ الْكِيرِ إِمَّا أَنْ يُحْرِقَ ثِيَابَكَ وَإِمَّا أَنْ تَجِدَ مِنْهُ رِيحًا خَبِيثَةً " (مسلم ۲/ باب استحباب مجالسۃ الصالحین، ح ۲۶۲۸، ص ۳۳۰)

اچھے دوست اور برے دوست کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی آدمی مشک والے کے پاس جائے تو یا تو مشک خرید لے گا، اگر مشک نہ بھی خریدی تو خوشبو تو آہی جائے گی۔ (اچھے آدمی کے پاس بیٹھے گا تو جو اللہ کی رحمت اس پر آرہی ہے اس کا کچھ حصہ اسے بھی مل جائے گا، اور اگر یہ اس کی صحبت میں بیٹھ کر اچھا بن گیا تو یہ بھی اللہ کی رحمت کا مستحق بن جائے گا) اور برے دوست کی مثال ایسی ہے کہ جیسے یہ کسی بھٹی والے کے پاس بیٹھ جائے تو بھٹی میں جلنے والی آگ سے اس بات کا اندیشہ ہے کہ کپڑے بھی جل جائیں، اگر نہ بھی جلے تو کم از کم بھٹی کا دھواں اور ناگوار بو تو اسے ضرور پہنچے گی۔

برے دوستوں کے ساتھ بری سوسائٹی میں بیٹھنے سے یا تو خود برا بن جائے گا اور اگر خود برا نہ بھی بنا تب بھی اللہ کی طرف سے ان برے لوگوں پر جو لعنت برس رہی ہے اس کا مستحق بن جائے گا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے:

﴿أُولَٰئِكَ الَّذِينَ لَعَنَهُمُ اللَّهُ﴾ (سورہ محمد ۲۳)

وہ لوگ ہیں جن پر اللہ نے لعنت کی ہے۔

اللہ ان لوگوں پر لعنت کر رہا ہے جو اللہ کے مجرم ہیں، باغی ہیں تو اس لعنت کا اثر تو آس پاس بیٹھنے والے پر بھی پڑے گا اس کی نحوست تو اس پر بھی پڑے گی۔ اسی لئے ہمارے رسول ﷺ نے حکم دیا کہ دوست، رفاقت اور مجلس اچھی بناؤ۔

حضرت علی ﷺ فرمایا کرتے تھے:

" عَلَيْكُمْ بِالْإِخْوَانِ فَإِنَّهُمْ عُدَّةٌ فِي الدُّنْيَا وَالْآخِرَةِ أَلَا تَسْمَعُ إِلَىٰ قَوْلِ أَهْلِ النَّارِ ﴿فَمَا لَنَا مِنْ شَافِعِينَ وَلَا صَدِيقٍ حَمِيمٍ﴾(الشعراء ۱۰۰،۱۰۱) "

(احیاء علوم الدین ج۲ ص۱۳۶)

فرمایا کرتم اچھے دوست اختیار کرو یہ دنیا اور آخرت میں تمہیں کام آئیں گے ورنہ کل قیامت میں یہی پوچھا جائے گا کہاں ہے تمہارا دوست اور حمایتی جس کے ساتھ تم اٹھا بیٹھا کرتے تھے، کوئی ہے تمہیں پہچاننے والا؟ قیامت کے دن تو معاملہ ہی بالکل الگ ہوگا، منظر ہی کچھ اور ہوگا، وہاں تو کوئی کسی کو نہیں پہچانے گا، قرآن کریم میں اس منظر کو یوں بیان کیا گیا ہے:

﴿ اَلْأَخِلَّاءُ يَوْمَئِذٍ بَعْضُهُمْ لِبَعْضٍ عَدُوٌّ إِلَّا الْمُتَّقِينَ ﴾

(سورۃ الزخرف ۶۷)

سارے دوست اس دن ایک دوسرے کے دشمن ہوں گے سوائے متقی (اللہ سے ڈرنے والے) لوگوں کے۔

ساری دوستیاں جو دنیا کے اندر گندی سوسائٹی اور گندی محفلوں کی صورت میں تھیں سب ایک دوسرے کے لئے دشمنیاں بن جائیں گی۔ ہاں تقوے کی بنیاد پر جو دوستیاں تھیں وہ ایک دوسرے کی معاون اور مددگار ہوں گی۔ ایسے دوست ایک دوسرے کی سفارش کریں گے۔

حضرت عمر ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ بات وہی کرو جو مفید ہو، اپنے دشمنوں سے دور رہو اور دوست اسے بناؤ جو امانت دار ہو اور فرمایا:

" وَلَا تَأْمَنْ إِلَّا مَنْ يَخْشَى اللّٰهَ وَبِطَانَةً وَلَا تَمْشِ مَعَ الْفَاجِرِ

یَغُلِبُکَ مِنْ فُجُوْرِہٖ" (العزلۃ للخطابی ص ۱۴۳)

امین وہی ہوسکتا ہے جس کے اندر اللہ کا خوف موجود ہو اور وہ اللہ کی اطاعت کرتا ہو۔ گنہگار کے ساتھ مت چلو، وہ تمہیں بھی گنہگار بنادے گا۔

اسے اپنے راز مت بتاؤ، وہ تمہارے رازوں کو افشا کردے گا اور اس کے ساتھ اپنے امور میں مشورہ بھی نہ کرو بلکہ ان لوگوں سے مشورہ کرو جن کے دلوں میں اللہ کا خوف ہے۔ وہ تمہیں صحیح مشورہ دیں گے بلکہ ان کی زندگی میں جو تقویٰ کی صفت ہے اس کی برکت سے اللہ اس مشورے کے اندر نور ڈال دیں گے، برکت ڈال دیں گے۔

حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ اگر تین چیزیں دنیا میں نہ ہوتیں تو میں دنیا کی زندگی کبھی بھی پسند نہ کرتا۔ ایک تو اگر ایسے دوست نہ ہوتے جو میری خطاؤں پر مجھے خبردار کرتے کہ تم یہ غلطی کررہے ہو، وہ غلطی کررہے ہو۔ دوسری چیز یہ کہ میرا چہرہ زمین پر لگتا ہے اور اللہ کے سامنے سجدہ ریز ہوتا ہے۔ تیسری چیز یہ کہ وہ قدم، وہ دن اور وہ رات جو اللہ کے راستے میں گزرتے ہیں۔ اگر یہ تین چیزیں دنیا میں نہ ہوتیں تو پھر دنیا میں رہنے کا کوئی فائدہ ہی نہیں تھا۔ ([illegible])

مومنین کی صحبت اختیار کیجئے

اس لئے رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے کہ

" لَا تُصَاحِبْ اِلَّا مُؤْمِنًا وَلَا يَأْكُلْ طَعَامَكَ اِلَّا تَقِيٌّ "

(ترمذی کتاب الزہد ج ۲ ص ۶۵)

مومن (سچے ایمان والے) والے کے ساتھ مصاحبت (ہم نشینی) اختیار کرو اور

(کوشش کرو کہ) تمہارا کھانا متقی (پرہیزگار) آدمی کھائے۔

مطلب یہ ہے کہ جب دوستی نیک لوگوں کے ساتھ ہوگی تو اس کا دستر خوان بھی نیک لوگوں کے لئے ہی بچھے گا۔ ایک تو یہ ہے کہ کسی بھی ضرورت مند کو کھلا دے دینا وہ ایک علیحدہ بات ہے لیکن عام دوستیاں اور ہم نشینیاں اگر اچھے لوگوں کے ساتھ ہوں گی تو انہی کے ساتھ اٹھنا بیٹھنا ہوگا، انہی کے ساتھ کھانا پینا ہوگا تو فرمایا:

"لا یاکل طعامک الا تقی"

تو رسول کریم ﷺ نے اس بات کا تذکرہ فرمایا کہ اچھی صحبت اختیار کی جائے اور ایک روایت میں آتا ہے کہ بسا اوقات جب لوگ اچھی صحبت میں بیٹھے ہوتے ہیں تو اللہ کے فرشتے انہیں گھیر لیتے ہیں اور ایک دوسرے کو بلاتے رہتے ہیں۔ ارے! جلدی آؤ اللہ کے تذکرے چل رہے ہیں اور پھر انہیں اپنے رحمت والے پروں سے ڈھانپ لیتے ہیں۔ پھر جب واپس اللہ کے دربار میں پہنچتے ہیں تو اللہ رب العزت پوچھتے ہیں کہ کہاں سے آئے ہو؟ تو فرشتے کہتے ہیں: اے اللہ! تیرے کچھ بندے تیرا تذکرہ کر رہے تھے، تیری محبت میں اکٹھے بیٹھے تھے وہاں سے آئے ہیں۔ اللہ رب العزت پوچھتے ہیں کہ وہ کیا کر رہے تھے۔ فرشتے کہتے ہیں اے اللہ! تیری حمد وثنا کر رہے تھے، تیری جلالی بیان کر رہے تھے، تیری بڑائی بیان کر رہے تھے تو اللہ رب العزت فرماتے ہیں کہ تم گواہ رہو میں نے ان نیک صحبت میں بیٹھنے والوں کی بخشش کر دی ہے۔ ایک فرشتہ کہتا ہے: یا اللہ ان میں ایک ایسا شخص بھی تھا جو مجلس کے شرکاء میں سے نہیں تھا بلکہ کسی حاجت کے لئے آیا تھا وہ وہاں آکر ان نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھ گیا تھا تو اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ایسے ہم نشین (آپس میں بیٹھنے والے) ہیں اور ان کے

مبارک ہیں کہ جوان کے ساتھ بیٹھتا ہے میں اسے بھی اپنی رحمتوں سے محروم نہیں کیا کرتا لہٰذا میں نے اس کی بھی بخشش کر دی ہے۔ (صحیح بخاری، کتاب الدعوات، ج ۲، ص ۹۴۸)

انسان دوست سے پہچانا جاتا ہے

پیارے رسول ﷺ کا فرمان ہے:

"اَلْمَرْءُ عَلٰی دِیْنِ خَلِیْلِہٖ فَلْیَنْظُرْ اَحَدُکُمْ مَنْ یُّخَالِلُ"

(ترمذی، کتاب الزہد، ج ۲، ص ۶۱)

آدمی اپنے دوست کے دین پر ہوتا ہے بس (دوست بنانے سے پہلے) دیکھ لیا کرو کہ کسے دوست بنا رہے ہو۔

اگر دوست لہو ولعب کا عادی ہے تو یہ بھی کھلاڑی بن جائے گا، اگر دوست موسیقار ہے تو یہ بھی موسیقار بن جائے گا، اگر دوست گندی عادتوں کے اندر مبتلا ہے تو یہ بھی انہی عادتوں میں مبتلا ہو جائے گا، اگر دوست تلاوت کا عادی ہے تو ان شاء اللہ اس کی دوستی کی برکت سے یہ بھی تلاوت کا شوقین بن جائے گا، اور اگر دوست نماز کا اہتمام کرتا ہے تو یہ بھی اس کی برکت سے نمازی بن جائے گا۔ اس لئے فرمایا کہ پہلے دیکھ لو، پرکھ لو کہ کس کو دوست بنا رہے ہو؟

کتنے نوجوان ایسے ہیں جو خود تو شرابی نہیں ہوتے مگر ان کے دوست شرابی ہوتے ہیں لہٰذا دوستوں کی وجہ سے یہ بھی شرابی بن جاتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جو پہلے سگریٹ کے عادی نہیں ہوتے لیکن غلط سوسائٹی کی وجہ سے سگریٹ کے عادی بن جاتے ہیں۔ کتنے ایسے ہیں جن کے ذہن بہت معصوم ہوتے ہیں، پاکیزہ ہوتے ہیں، گھر کا ماحول بھی اچھا ہوتا ہے لیکن کالج اور یونیورسٹی میں دوست ایسے مل جاتے ہیں

جن کی وجہ سے ان کی سوچ فکر اور اخلاق سب برباد ہو جاتے ہیں۔ اسی لئے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ خیال کر لو بھائی کہ کس کو دوست بنا رہے ہو۔

دوسری بات یہ ہے کہ جب آدمی برے لوگوں کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے تو تیسرا آدمی اس کے بارے میں بھی بدگمان ہوتا ہے کہ ہاں گندے آدمی کے ساتھ جا رہا ہے لہٰذا یہ بھی گندہ ہی ہے۔ ایسے ہی اوپر سے نیک بنا ہوا ہے۔ اس کی زندگی تو دیکھو کس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ دیکھنے والے کے ذہن میں فوراً آتا ہے کہ جیسے دوسرا ہے یہ بھی ایسا ہی برا ہے تب ہی تو اس کے ساتھ اٹھتا بیٹھتا ہے۔ اس لئے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا ایسا نہ کرو، ان لوگوں کے ساتھ نہ بیٹھو۔ اور فرمایا کہ تمہارا اچھا دوست وہ ہے جو تمہارے عیب تمہیں بتائے تمہاری غلطیوں کی نشاندہی کرے تمہاری رہنمائی کرے، یہ تمہارا مہربان ہے۔ اسی لئے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ

"اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ" (مشکوۃ المصابیح، باب الشفقۃ والرحمۃ علی الخلق، ص ۴۲۲)

مومن مومن کا آئینہ ہے۔

جب آدمی صلحاء کے ساتھ، نیک لوگوں کے ساتھ بیٹھے گا تو ان کی شخصیت کے آئینے میں اپنی تصویر دیکھے گا کہ میرے اندر کیا کیا خامیاں ہیں، کیا کیا کوتاہیاں ہیں تو ان کی صحبت کی برکت سے اسے اپنی خامیاں نظر آئیں گی اور آہستہ آہستہ وہ اپنی اصلاح کرتا چلا جائے گا۔

میرے عزیزو! جب تک آدمی اچھے دین داروں کے ساتھ نہیں بیٹھتا تو تب تک بڑا مطمئن ہوتا ہے کہ میں تو بڑا بزرگ ہوں اس لئے کہ بیچارہ ان لوگوں کے ساتھ بیٹھتا ہے جہاں دین نام کی کوئی چیز ہی نہیں ہے۔ جب واقعی دینداروں کے

ساتھ بیٹھتا ہے تو پتہ چلتا ہے کہ میرے اندر تو یہ بھی کمی ہے، وہ بھی کمی ہے۔

پیارے رسول ﷺ کے پیارے ساتھی حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم حضور ﷺ کی صحبت میں بیٹھتے اور اپنے آپ کو حضور ﷺ کے آئینے میں دیکھتے تو اتنی کمی پاتے کہ رات کو توبہ و استغفار کرنے لگ جاتے۔ کبھی کہتے اے اللہ! کاش تو نے ہمیں پیدا ہی نہ کیا ہوتا، پتہ نہیں ہم حساب کیسے دیں گے۔ کبھی کہتے کہ کاش ہم گھاس کا کوئی تنکا ہوتے کہ ہمارے اوپر حساب و کتاب نہ ہوتا، اس لئے کہ وہ اپنی تصویر نبی کی شخصیت کے آئینے میں دیکھتے تھے اور اپنے اندر کمی محسوس کرتے تھے لہٰذا اللہ سے توبہ و استغفار کرتے تھے۔ آج مسلمان اپنی دین داری پر مطمئن ہو کر بیٹھا ہوا ہے اس کی ایک بڑی وجہ یہی ہے کہ اسے اچھے دینداروں کی صحبت نصیب نہیں ہے۔

اسی لئے تو پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ مومن مومن کے لئے آئینہ ہے، جس سے اسے اپنے عیوب معلوم ہو جاتے ہیں۔

حضرت عثمان بن حکیم رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے کہ

"اِصْحَبْ مَنْ هُوَ فَوْقَكَ فِي الدِّيْنِ وَدُوْنَكَ فِي الدُّنْيَا"

(کتاب الاخوان لابن ابی الدنیا ص ۱۲۵)

ان لوگوں کے ساتھ اٹھا بیٹھا کرو جو دین میں تم سے اعلیٰ ہوں (بڑھیا ہوں) اور دنیا میں تم سے کمتر ہوں۔

دین میں تم سے بڑھیا ہوں تا کہ اپنی کمزوریاں تمہیں نظر آئیں اور دنیا میں تم سے کمتر ہوں تا کہ اللہ نے تمہیں جو دنیا دے رکھی ہے تم اس پر مطمئن ہو جاؤ کہ میرے پاس تو بہت ہے، اس بیچارے کے پاس تو یہ بھی نہیں ہے۔ بڑھیا دین والوں اور تھوڑی

دنیا والوں کے پاس بیٹھو گے تو دین کی حرص پیدا ہوگی، فکر پیدا ہوگی اور دنیا کے بارے میں قناعت آ جائے گی۔

آج کے مسلمان کی سوچ

لیکن آج تو معاملہ ہی الٹ ہے۔ ہر ایک کی سوچ یہی ہے کہ میرا اٹھنا بیٹھنا ایسے لوگوں میں ہونا چاہئے جو بڑے لوگ ہوں تاکہ پتہ چلے یہ بھی بڑا آدمی ہے حالانکہ اس کی تنخواہ سے مہینے کا خرچ بھی نہیں چلتا لیکن بیٹھتا ان لوگوں کے ساتھ ہے جن کی آمدنی لاکھوں میں ہے تاکہ پتہ چلے کہ یہ بھی بڑا آدمی ہے۔ اپنا بودوباش، ظاہری شکل وصورت، سواری ایسی بنائے گا جیسی لاکھوں کروڑوں کمانے والے کی ہوگی اور اس کے لئے اتنی کوشش کرے گا کہ بینک کا مقروض ہو جائے گا لیکن چونکہ بڑوں کے ساتھ رہنا ہے اس لئے یہ سب کرتا رہے گا۔ مجلسوں میں ایسے لوگوں کے ساتھ اٹھے بیٹھے گا جو دنیا کے اعتبار سے اونچے ہیں تاکہ دوسروں کے سامنے یہ ظاہر ہو کہ یہ بھی بڑے لوگوں میں سے ہے۔

میرے عزیزو! یہ درحقیقت بدقسمتی ہے کہ بڑے پن کی تو اتنی فکر ہے لیکن دین کا کیا حال ہے، اس کی کوئی فکر نہیں تو نبی ﷺ نے فرمایا کہ زندگی کا ضابطہ یہ نہیں ہے۔ دین کے معاملے میں اپنے سے بڑے کے پاس بیٹھو اور دنیا کے معاملے میں اپنے سے کمتر کے ساتھ بیٹھو۔

بہترین لوگ کون ہیں؟

دنیا کے افراد میں سے بہترین لوگوں کی پہچان کے لئے ہمارے پیارے

رسول ﷺ کا فرمان ہے:

﴿اَلَا اُنَبِّئُکُمْ بِخِیَارِکُمْ﴾ تمھیں بتاؤں کہ تم میں سے بہترین لوگ کون ہیں؟ ﴿قَالُوْا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ﴾ صحابہ ﷺ نے عرض کیا کہ اے اللہ کے رسول! کیوں نہیں ضرور بتائیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ﴿خِیَارُکُمُ الَّذِیْنَ اِذَا رُؤُوْا ذُکِرَ اللّٰہُ عَزَّوَجَلَّ﴾ تم میں بہترین لوگ وہ ہیں جن کی صحبت میں بیٹھ کر اللہ کی یاد آجائے، (جنہیں دیکھ کر اللہ کی یاد میں اضافہ ہوجائے۔)

(مشکوۃ والمصابیح، باب الحب فی اللہ، ج ۲، ص ۴۲۶)

بس ان کے ساتھ بیٹھو جن کی صحبت میں بیٹھنے سے اللہ کی یاد بڑھ جائے۔ اللہ سے تعلق بڑھ جائے، آخرت کی فکر پیدا ہو جائے، یہ دنیا میں غنیمت والی صحبت ہے، یہی مجلس ہے، یہی لوگ ہیں، ان کے ساتھ بیٹھو گے تو قلعوں کے اندر محفوظ ہو جاؤ گے اور فتنوں سے بچ جاؤ گے۔

محفوظ قلعے

تو میرے عزیزو! اچھا ماحول، اچھی محافل، اچھی مجالس یہ محفوظ قلعوں کی مانند ہیں جن کی بدولت انسان کے ایمان کا سرمایہ محفوظ رہتا ہے اور یہ ہر قسم کے فتنوں سے بچ جاتا ہے۔ حضرات صحابہ ﷺ میں ایک بڑی خوبی یہ تھی کہ انھوں نے اپنا ماحول خود بنایا تھا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ کسی کو دین پر چلنے میں مشکل پیش نہیں آتی تھی، کسی کو اشکال بھی پیدا نہیں ہوتا تھا کہ یہ کیوں ہے؟ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے صحابہ کی پوری زندگی میں یہ کہیں نظر نہیں آتا کہ کوئی حکم اترا ہو یا کوئی طریقہ آیا ہو اور کسی نے پوچھا ہو کہ یہ کیوں ہے؟ ایسا کیوں ہے؟ اس لئے کہ انھوں نے ماحول ہی ایسا ترتیب دیا تھا

کہ جو بھی طریقہ آتا وہ ان کی زندگی کا حصہ بن جاتا تھا بلکہ انہوں نے تو ماحول اور سوسائٹی ایسی پاکیزہ بنائی تھی کہ اس سوسائٹی میں آنے والا ہر شخص متاثر ہو جاتا تھا اور مانوس ہو جاتا تھا اور اسے بڑا آسان لگتا تھا۔ یہ ماحول انہوں نے خود بنایا تھا جس کے نتیجے میں دین پر چلنا ان کی طبیعت اور مزاج بن گیا تھا۔ اس کے خلاف چلنا ان کے لیے مشکل ہوتا تھا۔

ماحول کا اثر

یہ ایک فطری بات ہے۔ اگر آپ کے یا میرے گھر میں سب ہی تہجد گزار ہوں تو ایک شخص کے لیے فجر کی نماز چھوڑنا بہت مشکل ہے، اس لئے کہ سارا ماحول نمازی ہے۔ اگر سارے بازار والے ہی نمازی ہوں تو ایک شخص کے لئے نماز چھوڑنا بہت ہی مشکل ہوگا۔ دس دوست ہیں، ایک ساتھ اٹھتے بیٹھتے ہیں، سب ہی نمازی ہیں، اگر ایک ان میں سے بے نمازی ہو تو اس کے لیے ان کے ساتھ رہنا بہت ہی مشکل ہو جائے گا۔ ان کے درمیان اس کا دم گھٹنے لگا، آخرکار یہ بھی ان کے ساتھ نمازی بن جائے گا۔

اچھے ماحول کا اثر یہ ہوتا ہے کہ انسان خود بخود اچھائیوں کی طرف چلا جاتا ہے۔ یہ جو آج ہمارے معاشرے کے اندر "کیوں" کا فلسفہ چل رہا ہے کہ ہر دینی حکم کے بارے میں سوال کیا جاتا ہے کہ ایسا کیوں ہے؟ اس کی وجہ یہ ہے کہ آج اس "کیوں" کہنے والے کا ماحول ٹھیک نہیں ہے۔ وہ ان لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے جن کی زندگیوں میں دین ہے ہی نہیں، دین نام کی چیز ہی نہیں ہے تو جب دین کی کوئی بات

اس کے دماغ سے ٹکراتی ہے تو وہ اسے ایک نئی چیز سمجھتا ہے۔ جیسے ایک ناک والا شخص ایسی جگہ چلا گیا جہاں سب کے ناک کٹے ہوئے تھے۔ انہوں نے اسے دیکھا تو شور مچا دیا کہ او ہو ناک والا آ گیا، ناک والا آ گیا، یعنی وہ سب اسے عیب دار کہنے لگے۔ جب کہ حقیقت اس کے بالکل برعکس تھی کہ اصل میں عیب دار وہ تھے مگر کھڑے کوسر رہے تھے۔ بالکل ایسا ہی ہے کہ جب ہم سب نبی ﷺ کی سنتوں کے بغیر زندگی گزارنے والوں کے پاس داڑھی رکھ کر جائیں تو سب شور مچا دیتے ہیں کہ ارے "ملا" آ گیا، "مولوی" آ گیا، حالانکہ انہیں اس کا احساس نہیں ہے کہ وہ کس کی شکل بنائے بیٹھے ہیں۔ انہیں اپنے عیب کا احساس نہیں ہوتا بلکہ یہ جانے والا انہیں عجیب لگتا ہے، کیوں؟ اس لئے کہ ان بیچاروں کا اٹھنا بیٹھنا ان لوگوں میں ہے جہاں سب ہی تارک سنت ہیں تو داڑھی کی سنت کو پورا کرنے والا شخص جب ان کے پاس جاتا ہے تو انہیں عجیب لگتا ہے۔ جب آدمی اپنا ماحول بناتا ہے، اچھے لوگوں میں اٹھتا بیٹھتا ہے تو اس کے لئے یہ چیز اجنبی نہیں ہوتی، مشکل بھی نہیں ہوتی بلکہ وہ کہتا ہے کہ ہاں اب میں اپنی برادری میں آ گیا ہوں۔ جب وہ غیر برادری میں جاتا ہے تو سب اسے عجیب نظروں سے دیکھتے ہیں کہ یہ کہاں سے آ گیا ہے۔ اس کا مذاق اڑاتے ہیں، آوازیں کستے ہیں کہ مولوی صاحب ادھر آ جاؤ۔ گویا اس بیچارے نے داڑھی رکھ کر کوئی گناہ کر لیا ہے۔

اچھا ماحول ضروری ہے

تو میرے عزیزو! ماحول کی برکت سے آدمی کے لئے دین پر چلنا آسان ہو جاتا ہے اور اگر ماحول ہی غلط ہو تو پھر اچھائی کرنا مشکل ہو جاتا ہے اور برائی کرنا

آسان ہو جاتا ہے بلکہ بھلائی عیب بن جاتی ہے اور برائی فن بن جاتی ہے اسے کمال سمجھا جاتا ہے اس لئے میرے عزیزو! سب سے پہلے ماحول کو بدلیں۔

صحیح ماحول اختیار کرنا لازم ہے

پیارے رسول ﷺ نے اس کی بہت زیادہ اہمیت بتائی ہے کہ اگر ماحول صحیح اختیار کیا جائے تو پریشانیاں خود بخود ختم ہو جاتی ہیں۔ اب لوگ مسجدوں میں بیٹھتے ہیں، علماء کی صحبت اختیار کرتے ہیں، دین کے حلقوں میں بیٹھتے ہیں، ان کی سوچ اور فکر ان لوگوں سے مختلف ہوتی ہے جو اس ماحول سے محروم ہیں۔ ان کی باہمی سوچ وفکر میں بہت بڑا فرق ہوتا ہے یہاں تک کہ وہ ایک دوسرے کو بے وقوف سمجھتے ہیں۔ یہ فرق ہوتا ہے اسی لئے کہہ رہا ہوں آپ کو کہ اس بابرکت ماحول سے ناآشنا لوگ اس بابرکت ماحول کو اختیار کرنے والوں کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کا کوئی اور کام ہی نہیں۔ سارا دن مسجد میں بیٹھے رہتے ہیں اور یہ لوگ ان کے بارے میں کہتے ہیں کہ ان کو کوئی فکر ہی نہیں دین کی، آخرت کی، سارا دن دکانوں میں بیٹھے رہتے ہیں۔ اس لئے کہ ہر ایک جس ماحول کو اختیار کئے ہوئے ہوتا ہے اسے وہی سمجھ میں آتا ہے۔ جو دنیا کے ماحول میں ہیں انہیں دنیا ہی سمجھ میں آتی ہے، دنیا کی ثقافت سمجھ میں آتی ہے، دنیا کی ترقی سمجھ میں آتی ہے۔ اس کے علاوہ انہیں کچھ بھی سمجھ نہیں آتا۔ نہ قرآن، نہ آخرت، نہ نبی ﷺ کی زندگی، نہ صحابہؓ کی زندگی، نہ مرنے کے بعد کی زندگی، اس لئے میرے عزیزو! ماحول اچھا اختیار کیا جائے، پھر یہ سوال بھی دل میں نہیں آئے گا کہ یہ کیوں ہے؟ یہ "کیوں" کا سوال کس لئے پیدا ہوتا ہے؟ اس لئے پیدا ہوتا ہے کہ

پیارے نبی ﷺ نے فرمایا ہے کہ

"اِنَّ الدِّیْنَ بَدَأَ غَرِیْبًا وَیَرْجِعُ غَرِیْبًا" (ترمذی، باب ان الاسلام بدأ غریبا، ج۲ ص۹۱)

دین جب شروع ہوا (یا شکل میں سامنے آیا) تو اجنبی تھا اور آخری زمانے میں پھر (ایک وقت ایسا آئے گا کہ) دین اجنبی ہو جائے گا۔

آخری زمانے میں دین اجنبی ہو جائے گا

آخری زمانے میں دین اجنبی ہو جائے گا۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ دین پر چلنے والا اجنبی لگے گا۔ لوگ اسے دیکھ کر کہیں گے کہ کیا یہ بھی ہوتا ہے؟ کیا سارا دین داڑھی میں رکھا ہوا ہے؟ کیا دین میں بس یہ دو ہی رہ گیا ہے؟ سچ بولنے والے کو باپ بھی کہے گا کہ اس کو تو سمجھ ہی نہیں ہے یہ کیا تجارت کرے گا اور جھوٹ بولنے والے کے بارے میں باپ کے تاثرات بھی یہ ہوں گے کہ بڑا ہوشیار ہے میرا بیٹا، کیسے چٹکیوں میں لوگوں کی جیب سے پیسے نکلواتا ہے، آرام سے سب کو پھنسا لیتا ہے، بچ کے نہیں جاتا اس سے کوئی، جھوٹ اور مکر و فریب کے ذریعے خوب سودے کرتا ہے۔ تو دین پر چلنے والا معیوب سمجھا جاتا ہو تو کوئی بات، ورنہ جانے کیا ہو (نعوذ باللہ) بالکل اسی طرح جس طرح صحابہ کو شروع میں یہ طعنے ملے کہ یہ بے وقوف ہیں جو ایمان لے آئے ہیں (کَمَا اٰمَنَ السُّفَهَآءُ) صحابہ کو بے وقوف کہا جا رہا ہے (معاذ اللہ) کون کہہ رہے ہیں؟ اس زمانے کے منافقین جو دین کی عظمت سے نا آشنا تھے۔ تو پیارے نبی ﷺ نے فرمایا کہ ایک وقت آئے گا جب دین پر چلنے والوں پر یہ حالات آئیں گے کیونکہ

"اِنَّ الدِّیْنَ بَدَأَ غَرِیْبًا وَیَرْجِعُ غَرِیْبًا" (ترمذی، باب ان الاسلام بدأ غریبا، ج۲ ص۹۱)

شامل ہیں، ان کے پیچھے سب چیزیں مفید ہیں تو فرمایا اس لئے مومن کو اپنا دوست بناؤ جو تمہارے لئے ہر لحاظ سے مفید ہے۔

حضرت عمرؓ فرمایا کرتے تھے اگر تم نے نیک آدمی کو دوست بنایا تو تمہارے اچھے حالات میں وہ تمہارے لئے زینت کا باعث ہوگا اور جب تم کسی آزمائش میں گھر جاؤ گے تو وہ تمہارا معاون اور مددگار رہے گا اس لئے آپ ﷺ نے فرمایا:

"سَبْعَةٌ يُظِلُّهُمُ اللّٰهُ فِي ظِلِّهِ يَوْمَ لَا ظِلَّ إِلَّا ظِلُّهُ"

سات آدمی ایسے ہیں جن کو اللہ تعالیٰ قیامت میں (جب عرش کے سائے کے علاوہ کوئی سایہ نہیں ہوگا) اپنے عرش کا سایہ نصیب فرمائیں گے۔

ان میں دو شخص ایسے ہیں جن کی آپس کی محبت صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے کہ یہ دین دار ہے اس کے ساتھ رہنے سے میرا دین بچ جائے گا۔ ارشاد ہے:

"رَجُلَانِ تَحَابَّا فِي اللّٰهِ اجْتَمَعَا عَلَيْهِ وَتَفَرَّقَا عَلَيْهِ"

دو آدمی جو اللہ کی رضا کے لئے آپس میں محبت رکھیں اسی (کی بنیاد) پر جمع ہوں اور اسی (کی بنیاد) پر دوری اختیار کریں۔

ایمان کا ذائقہ

ایک روایت میں آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایمان کا بھی ایک ذائقہ ہوتا ہے جیسے قورمہ، بریانی، مشروبات اور آئس کریم کے ذائقے ہوتے ہیں۔ آدمی انہیں محسوس کرتا ہے ایسا ہی ایمان کا ذائقہ بھی ہوتا ہے لیکن یہ محسوس اس شخص کو ہوتا ہے جس

کے پاس تین چیزیں ہوں۔ پہلی یہ کہ اس کے نزدیک اللہ اور اللہ کے رسول کی محبت سب چیزوں سے بالاتر ہو اور دوسری یہ کہ وہ کفر کی راہ پر چلنے، کفر کے نظریے، کفر کے عقیدے، کفر کی معاشرت، کفر کی ثقافت، کفر کی خوشیوں اور غموں سے ایسی نفرت کرتا ہو کہ جیسے آگ میں گرنا اس کے لئے باعث نفرت اور ناپسندیدہ ہو۔

نفرت اور محبت کی بنیاد

تیسری چیز اس کے ہاں نفرت اور محبت کی بنیاد فقط اللہ کی رضا ہو۔ آپ ﷺ نے فرمایا ہے کہ جس شخص کو یہ تین چیزیں نصیب ہو گئیں وہ ایمان کی حلاوت اور لذت محسوس کرے گا۔ اس کو سجدوں میں مزہ آئے گا، مناجات میں لذت محسوس ہوگی، تلاوت میں مزہ آئے گا، رب کے سامنے رات کو کھڑے ہونے میں بھی مزہ آئے گا۔ ہمارا حال یہ ہے کہ آج ہمیں یقین بھی نہیں آتا کہ ان چیزوں میں بھی کوئی مزہ ہو سکتا ہے۔

ارے میرے عزیزو! اگر کوئی نقلی محبوب ہو، جس سے آدمی اپنا ایمان بھی خراب کر رہا ہو، صحت بھی خراب کر رہا ہو، زندگی بھی برباد کر رہا ہو، رسوا اور ذلیل بھی ہو رہا ہو لیکن جب اس کے ساتھ بات کرتا ہے تو بات کرتے کرتے گھنٹے لگ جاتے ہیں اور اسے پتہ ہی نہیں چلتا، انہی باتوں میں ساری رات گزر جاتی ہے۔ اسی طرح میرے عزیزو! اگر مولیٰ سے، حقیقی محبوب سے جب بات ہوگی تو خدا کی قسم رات کا پتہ بھی نہیں چلے گا۔

ایک رکعت میں پورا قرآن پڑھنے والے

اس دنیا میں چار آدمی ایسے گزرے ہیں جو پورے قرآن کو ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے اور دوسری رکعت کے اندر سورۂ اخلاص پڑھا کرتے تھے۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ، حضرت تمیم داری رضی اللہ عنہ، حضرت سعید بن المسیب رحمہ اللہ اور حضرت امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ۔ ان حضرات کا معمول تھا کہ پورا قرآن ایک رکعت میں پڑھا کرتے تھے۔ محبوب سے باتیں ہو رہی ہیں، لذت آرہی ہے اور دوسری رکعت میں سورۂ اخلاص پڑھ لیا کرتے تھے۔ (سبحان اللہ)

ہمیں تو اس پر یقین ہی نہیں آتا ہے، ہمیں تو ہمارے وہم و گمان سے بھی دور ہیں کیونکہ ہم عبادت کی لذت سے ناآشنا ہیں۔ حقیقت یہی ہے کہ اس میں بھی لذت ہے جو دنیا کی مادی چیزوں کی لذت سے ہزاروں گنا بڑھ کر ہے لیکن کب ملے گی؟ جب ایمان کی یہ کیفیت پیدا ہوگی کہ اللہ کے لئے محبت ہوگی اور کفر کی زندگی سے نفرت ہوگی۔ اس لئے پیارے رسول ﷺ نے فرمایا: ”اچھے لوگوں سے محبت کرو، اچھے لوگوں کے ساتھ اٹھو بیٹھو، قیامت کے دن اچھے لوگوں کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے۔“

ایک مرتبہ ایک شخص حضور ﷺ کی خدمت میں آیا اور کہا کہ اے اللہ کے رسول! قیامت کب آئے گی؟ آپ ﷺ نے فرمایا: ”بھائی! قیامت کے لئے کیا تیاری کر رکھی ہے؟“ اس شخص نے جواب دیا کہ اے اللہ کے رسول! بہت ساری نمازیں، روزے اور صدقے تو جمع نہیں کر رکھے مگر اللہ اور اللہ کے رسول سے محبت کرتا ہوں۔ پیارے رسول ﷺ نے فرمایا کہ تم قیامت میں ان لوگوں کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے جن

سے تم دنیا میں محبت کرتے ہو۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ ہم حضور ﷺ کے اس ارشاد کو سن کر اتنے خوش ہوئے کہ اس سے پہلے اتنا خوش کبھی نہیں ہوئے تھے اس لئے کہ ہم دل سے اپنے پیارے نبی ﷺ سے محبت کرتے تھے۔

صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی خواہشات

حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ سے جب پوچھا گیا کہ اے صدیق! تیری پسند کیا ہے؟ تو انہوں نے فرمایا: اے اللہ کے رسول! میری ایک پسند تو یہ ہے کہ میری بیٹی عائشہ آپ کے حرم میں داخل ہو جائے، دوسری پسند یہ ہے کہ آپ کا چہرۂ انور ہو اور صدیق کی نگاہیں ہوں اور بس دیکھتا ہی رہوں۔ تیسری پسند یہ ہے کہ میری جان و مال سب کچھ آپ پر قربان ہو جائے، سب کچھ میں آپ پر قربان کر دوں۔ یہ میری زندگی کی خواہشات ہیں تو ان حضرات کو تو ویسے ہی حضور ﷺ سے بہت زیادہ محبت تھی اس لئے جب بھی آپ ﷺ یہ فرمایا کرتے کہ قیامت کے دن اسی کے ساتھ اٹھائے جاؤ گے جس سے محبت کرتے ہو تو ان حضرات کو بہت زیادہ خوشی محسوس ہوتی تھی۔

نیکوکاروں سے محبت کیجئے

تو میرے عزیزو! اگرچہ ہم نیک نہیں ہیں مگر نیکوں سے محبت تو کر سکتے ہیں۔ اللہ کی ذات سے قوی امید ہے کہ کل قیامت میں اللہ ہمارا معاملہ انہی کے ساتھ کر دے گا۔

اس لئے میرے دوستو! یہ ایک مضبوط قلعہ ہے فتنوں سے بچنے کا کہ محبت اچھی اختیار کی جائے، اچھی مجلس میں شامل ہوا جائے، علماء کے پاس اٹھنا بیٹھنا ہو۔

اسے اپنی زندگی کا حصہ بنایا جائے بضرورت بھی جائے غذا سمجھا جائے ورنہ بیماریاں لگ جائیں گی اور یہ بیماریاں زہر بن کر آہستہ آہستہ پورے جسم میں پھیل جائیں گی۔ اس لئے اچھی صحبت کو اپنی غذا سمجھیں اور اس سے توانائی حاصل کر کے فتنوں سے محفوظ رہیں۔

فتنوں سے بچاؤ کا تیسرا اقدام

میرے عزیزو! فتنوں سے بچاؤ کی تیسری صورت ہے دین کا صحیح علم نصیب ہو جانا، دین کی صحیح سمجھ کا حاصل ہو جانا۔ اس لئے فرمایا کہ ایک فقیہ (دین کی سمجھ رکھنے والا اور دین کا صحیح علم رکھنے والا) شیطان پر ہزار عابدوں سے زیادہ بھاری ہے۔

(ترمذی، ابواب العلم، حدیث ۲۶۸۱)

صرف عبادت کرنے والا کسی وقت بھی شیطان کے جال میں آ سکتا ہے، کسی بدعت کا شکار ہو سکتا ہے، کسی گناہ کے اندر جا سکتا ہے، کوئی بھی غلط نظریہ اپنا سکتا ہے لیکن اگر اللہ فقاہت (دین کا صحیح علم) نصیب فرما دے تو بندہ شیطان کے مکر و فریب سے بھی واقف ہو جاتا ہے کہ کس طریقے سے یہ وار کر سکتا ہے۔

حضرت جنید بغدادی رحمۃ اللہ علیہ بڑے عالم تھے اور بڑے اللہ والے تھے۔ ایک مرتبہ کمرے میں تشریف فرما تھے کہ چھت سے روشنی نمودار ہوئی اور روشنی سے آواز آئی کہ اے جنید! تو بڑا بزرگ ہو گیا ہے اب تجھے نماز کی بھی ضرورت نہیں ہے تو حضرت جنید بغدادی نے فوراً ﴿أَعُوذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ﴾ پڑھا اور سوچا کہ یہ تو شیطان ہی ہو سکتا ہے، اس لئے کہ نماز تو نبی پر بھی معاف نہیں ہے اتنا سوچنا تھا کہ وہ روشنی اندھیرے سے بدل گئی اور پھر آواز آئی: جنید! تجھے تیرے علم نے

بچالیا۔ آپ نے پھر ﴿اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطَانِ الرَّجِیْمِ﴾ پڑھا کیونکہ دوسرا وار پہلے وار سے بھی زیادہ خطرناک تھا کہ جنید تو اپنے علم کے عجب (بڑائی) میں مبتلا کر دو کہ تو بڑا عالم بن گیا ہے، اس لئے آپ نے پھر تعوذ پڑھا اور فرمایا کہ میں اپنے علم کی وجہ سے نہیں بلکہ اللہ کے فضل وکرم سے بچا ہوں۔

تو میرے عزیزو! فتنوں سے بچاؤ کی ایک صورت یہ ہے کہ دین کا صحیح علم نصیب ہو جائے۔ اسی لئے پیارے رسول ﷺ کو اللہ نے جب دنیا کے اندر مبعوث فرمایا تو آپ کو ایک فریضہ یہ مقرر کیا کہ آپ لوگوں کو کتاب اللہ کی تعلیم دیں، صحیح علم سکھائیں۔ امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

"طَلَبُ الْعِلْمِ خَیْرٌ مِّنَ الصَّلٰوۃِ النَّافِلَۃِ" (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۲۳)

علم سیکھنا نفل نماز سے بدرجہا بہتر ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ اہل علم کی فضیلت بیان کرتے ہوئے فرمایا کرتے تھے:

"عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ وَ مَلَائِکَتَہٗ وَاَھْلَ السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِیْنَ حَتَّی النَّمْلَۃَ فِیْ جُحْرِھَا وَحَتَّی الْحُوْتَ فِی الْبَحْرِ لَیُصَلُّوْنَ عَلٰی مُعَلِّمِ النَّاسِ الْخَیْرَ" (جامع ترمذی، باب ماجاء فی فضل الفقہ علی العبادۃ، ج ۲ ص ۹۸، قدیمی)

حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ نبی اکرم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "بے شک جو شخص لوگوں کو خیر اور بھلائی کی باتیں سکھاتا ہو اس کے لئے اللہ رب العزت اور اس کے تمام فرشتے یہاں تک کہ اپنے بلوں کے اندر موجود تمام چیونٹیاں اور سمندر میں موجود تمام مچھلیاں نزولِ رحمت

کی دعا کرتی ہیں۔"

اسی لئے اللہ کریم نے فرمایا:

﴿يَرْفَعِ اللّٰهُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا مِنْكُمْ وَالَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ دَرَجٰتٍ﴾

(سورۃ المجادلہ: ۱۱)

اللہ تعالیٰ ایمان لانے والوں اور حاملین علم افراد کے درجات بلند فرماتے ہیں۔

اللہ نے ان کو ایک فضیلت بخشی ہے تو میرے عزیزو! دین کا صحیح علم نصیب ہو جائے اس کی برکت سے بھی بندہ فتنوں سے بچتا ہے۔

دین کا کتنا علم سیکھنا ضروری ہے؟

دین کا کتنا علم سیکھنا ضروری ہے؟ اس کی مختلف صورتیں ہیں۔

ایک درجہ تو فرض عین کا ہے کہ آدمی پر دین کا اتنا علم سیکھنا فرض ہے کہ وہ چوبیس (۲۴) گھنٹے کی زندگی دین کے مطابق گزار سکے۔

اگر تاجر ہے تو تجارت کے بنیادی مسائل سیکھے۔ مالدار ہے تو زکوٰۃ کے بنیادی مسائل سیکھے۔ باپ ہے تو اولاد کی تربیت کے بنیادی مسائل سیکھے۔ شوہر ہے تو بیوی کے ساتھ زندگی گزارنے کے ضروری مسائل سیکھے۔ ایسا نہ ہو کہ زبان سے ایسا لفظ نکل گیا ہو کہ جس سے طلاق ہو گئی ہو اور اسے پتہ ہی نہ ہو۔ اس لئے ان مسائل سے واقفیت ہر مسلمان کے لئے ضروری ہے کہ وہ دین پر صحیح چل سکے۔ یہ تو فرض عین ہے جیسے نماز فرض عین ہے، زکوٰۃ فرض عین ہے، روزے فرض عین ہیں۔

دوسرا درجہ فرض کفایہ کا ہے کہ اگر بستی میں ایسا عالم دین (جو اس بستی والوں

کی دینی ضروریات پوری کررہا ہو) موجود ہے تو سارے بستی والے اس فریضے سے سبکدوش ہو جائیں گے اور سب علم کے حاصل نہ کرنے کے گناہ سے بچ جائیں گے۔ اگر ایسا عالم دین موجود نہیں ہے تو سارے بستی والے گناہ گار ہیں جب تک کہ اس فرض کفایہ کے درجے کو پورا نہ کردیں۔

تیسرا درجہ مستحب کا ہے کہ علوم کے اندر خوب گہرائی پیدا کی جائے۔ یہ بہتر اور مستحب ہے کہ علوم دینیہ کے حصول میں خوب محنت اور کوشش کی جائے۔

اب یہ دین کہاں سے سیکھا جائے تو اللہ رب العزت نے اس بارے میں رہنمائی فرمائی ہے:

﴿فاسئلوا اهل الذكر ان كنتم لا تعلمون﴾ (سورۃ النحل ۴۳)

اگر تم دین کے بارے میں نہیں جانتے تو اہل علم سے پوچھو۔

دین اہل علم حضرات سے سیکھو، دین کے بارے میں اہل قرآن حضرات سے پوچھو اس لئے کہ آیت کریمہ میں ذکر سے مراد قرآن کریم ہے۔ اس بارے میں ارشاد خداوندی ہے:

﴿انا نحن نزلنا الذكر﴾ (سورۃ الحجر ۹)

بے شک ہم نے ذکر (قرآن) کو نازل کیا۔

اس لئے اگر تم نہیں جانتے تو قرآن والوں، قرآن کا گہرا علم رکھنے والوں اور دین کا گہرا علم رکھنے والوں سے پوچھو۔

دین صحبت سے حاصل ہوتا ہے

دین کتابوں سے نہیں بلکہ صحبت سے حاصل ہوتا ہے۔ جبرئیل امین علیہ السلام

نے دین اللہ پاک سے سیکھا پیارے نبی ﷺ نے دین جبرئیل امین علیہ السلام سے حاصل کیا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم نے دین پیارے نبی ﷺ سے حاصل کیا اور حضرات صحابہ رضی اللہ عنہم سے دین سیکھا تابعین رحمہ اللہ نے۔ تو دین کتابوں سے نہیں بلکہ صحبت سے آیا ہے۔ اللہ کے لئے کوئی مشکل نہیں تھا کہ بیت اللہ کی چھت پر قرآن بھیج دیتا اور وہاں کا ہر شخص چونکہ عربی دان تھا اس لئے خود ہی قرآن سیکھ لیتا لیکن دین کا مزاج یہ نہیں ہے۔ دین کے علوم سیکھنے کا یہ انداز نہیں ہے بلکہ اب تو دنیاوی علوم بھی اس طریقے سے نہیں سیکھے جاتے۔ کون ہے جو میڈیکل کی کتابیں پڑھ کر ڈاکٹر بن جائے، انجینئرنگ کی کتابیں پڑھ کر انجینئر بن جائے۔ کوئی بھی نہیں بن سکتا جب تک کہ وہ اس فن کے ماہر کے پاس نہیں بیٹھتا یا اس کی صحبت اختیار نہیں کرتا۔

صحیح عالم سے دین سیکھنے کے فوائد

اس طرح جب دین کا علم کسی صاحب علم سے سیکھا جائے گا، عالم ربانی سے سیکھا جائے گا تو اس کے بہت سے فوائد ہوں گے۔

❖ پہلا فائدہ تو یہ ہے کہ علم کے ساتھ ساتھ اس عالم ربانی کی زندگی بھی اس کے اندر منتقل ہوگی، اس کے اخلاق، اس کی عبادات، اس کا کردار، اس کا انداز، اس کا مزاج بھی منتقل ہوگا۔

❖ دوسرا فائدہ یہ ہوگا کہ خالص علم حاصل ہوگا جس سے اسے کھرے کھوٹے کی پہچان ہوگی، صحیح غلط کی پہچان ہوگی۔

❖ تیسرا فائدہ یہ ہوگا کہ جب اس کے سامنے علم سیکھے گا تو اسے اپنے سے

بڑھے اور زیادہ نمو والا پائے گا اس لئے عجب کے مرض کے اندر مبتلا نہیں ہوگا، جو بات نہیں آئے گی کہ جب بھی اس کے پاس جائے گا تو پوچھے گا کہ مجھے تو کچھ بھی نہیں آتا، اس کے پاس تو بہت علم ہے ورنہ جو لوگ عموماً کتابوں سے مطالعہ کرکے محقق بن جاتے ہیں وہ سمجھتے ہیں کہ ہم سے بڑا عالم کوئی نہیں ہے حالانکہ ان سے بڑا جاہل کوئی نہیں ہوتا۔ پہلے جاہل تھا نہ جاننے کی وجہ سے اور اب دُگنا جاہل ہے کہ جانتا بھی نہیں ہے اور اپنی کم علمی اور جہالت کو کم علمی اور جہالت بھی نہیں سمجھتا۔

اہلِ علم کی صحبت، فتنوں سے نجات

اس لئے فرمایا کہ اہلِ علم سے صحبت رکھو اور ان سے دین سیکھو فتنوں سے بچ جاؤ گے۔ اللہ رب العزت نے یہی بتایا ہے اور یہی طریقہ ہے فرمایا: ﴿كُونُوا رَبَّانِيِّينَ﴾ (آل عمران: ۷۹) اللہ والوں سے علم حاصل کرو تو اسی طریقے سے نبی ﷺ نے امت تک دین پہنچایا اور راستہ بتادیا کہ اس طریقے سے دین سیکھا جائے۔

دوسری صورت یہ ہے کہ کتابوں سے علم سیکھا جائے۔ لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ کسی عالم ربانی سے پوچھ کر کتابوں کا مطالعہ کیا جائے اور جہاں کسی حوالے سے کوئی بھی تشنگی محسوس ہو یا کوئی بات سمجھ نہ آئے تو فوراً اس عالم سے پوچھ لیا جائے کہ اب مجھے کون سی کتابوں کا مطالعہ کرنا چاہئے۔

بسا اوقات آپ کسی طبیب کے پاس جائیں گے تو طبیب کے پاس بہت ساری دوائیں پڑی ہوں گی اور سب توانائی کے لئے بہت اچھی ہوں گی، بہت اعلیٰ قسم کی معجونیں ہوں گی کہ اگر آدمی انہیں دو دن کھائے تو جوان اور صحت مند ہو جائے مگر یہ

بات تو طبیب ہی بتائے گا کہ میاں تم یہ کھاؤ گے تو تمہارے معدے اور جگر کا ستیاناس ہو جائے گا۔ تمہارے لئے یہ والی دوا موزوں ہے اسے لے جاؤ۔ وہ دوسری دوا بھی اچھی ہے لیکن تمہاری صحت ابھی اسے قبول نہیں کرے گی، اس لئے تم پہلے یہ کھالو پھر وہ کھالینا۔ پھر تمہارے معدے میں یہ صلاحیت پیدا ہو جائے گی کہ تم اسے بھی کھا سکو گے۔ طبیب کی یہ بات سب کو سمجھ آئے گی۔

لیکن اگر کوئی مولوی کہہ دے کہ پہلے یہ پڑھ لو پھر وہ پڑھ لینا تو کہتے ہیں ارے میاں یہ تو قرآن سے روکتے ہیں۔ ارے بھائی! قرآن سے نہیں روکتے بلکہ تمہیں قرآن پڑھنے کے قابل بناتے ہیں۔ ایک آدمی کہے کہ میرا نماز پڑھنے کا ارادہ ہے تو اس سے یہی کہا جائے گا کہ بھائی پہلے وضو تو کر لو۔ اب اگر وہ کہے کہ یہ مجھے نماز پڑھنے سے روک رہا ہے تو عقل کی بات تو نہ ہوگی۔ اس سے کہا جائے گا کہ ارے بھائی! یہ نماز سے نہیں روک رہا ہے بلکہ نماز پڑھنے کے قابل بنا رہا ہے۔ کس نے کہا ہے کہ نماز نہ پڑھو، ضرور پڑھو بھائی لیکن اس سے پہلے وضو تو کر لو۔

تمام کام مشاورت سے کریں

اسی لئے تو بسا اوقات کہا جاتا ہے کہ پہلے یہ پڑھ لو، پھر وہ پڑھ لینا تاکہ صلاحیت تو پیدا ہو جائے کہیں ایسا نہ ہو کہ معاملہ الٹ ہو جائے۔ صلاحیت اندر ہے نہیں اور اس نے اپنے آپ کو بہت کچھ سمجھنا شروع کر دیا ہے اس لئے کسی سے پوچھ لینا چاہئے کہ میرے لئے کون سی کتاب مناسب ہے۔ جہاں زندگی کے دیگر امور میں ہم کسی پر اعتماد کرتے ہیں۔ خود تو علاج معالجہ شروع نہیں کر دیتے، خود تو اپنا علاج نہیں

کرتے، خود تو درزی نہیں بن جاتے، ہر ایک چیز میں کسی نہ کسی پر اعتماد کرتے ہیں تو اللہ کے بھیجے ہوئے علوم کے بارے میں بھی کسی پر اعتماد کرنا ہی پڑے گا۔

اگر زندگی کے دیگر معاملات میں خود اعتمادی اختیار کی جائے کہ ہر کام خود ہی کرنا شروع کر دیا جائے تو قبرستان پہنچنے کا راستہ بہت جلد ہموار ہو جائے گا۔

میرے عزیزو! انسان تو اپنی پیدائش میں بھی اعتماد کرتا ہے۔ اگر انسان سے کہا جائے کہ یہ تمہارا باپ ہے تو اس کو کیسے یقین ہو جاتا ہے کہ یہ میرا باپ ہی ہے۔ کسی پر اعتماد کرتا ہے کیونکہ یہ تو ہسپتال میں پیدا ہوا ہے تو اسے کیسے معلوم ہوگا کہ یہ اس کا باپ ہے۔ لوگوں نے کہا کہ یہ تمہارا باپ ہے تو اس نے مان لیا کہ ہاں یہ میرا باپ ہے، یہ میری ماں ہے۔ اعتماد ہی کیا ناں، وہی تو کمی آگئی اس پر تو میرے عزیزو! دین کا معاملہ بھی ایسا ہی ہے، بغیر اعتماد کے کہانی چلتی ہی نہیں ہے تو اس لئے فرمایا کہ دین کے معاملے میں بھی رہنمائی حاصل کی جائے کہ کون سی کتاب کس وقت کیسے مطالعہ کرنی ہے۔ جہاں بات سمجھ میں نہ آئے تو اسے پوچھ لیا جائے، تو یہ ہے دین کا علم حاصل کرنے کا صحیح طریقہ پھر جب بھی کوئی نئی بات پیش آجائے، فتنے کی کوئی بات کان میں پڑے، کوئی پروپیگنڈہ سنے تو فوراً اہلِ علم کے پاس جائے اور ان سے پوچھے کہ اس مسئلے کے بارے میں آپ کیا فرماتے ہیں۔ قرآن میں ہے کہ

﴿يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اِنْ جَآءَكُمْ فَاسِقٌۢ بِنَبَاٍ فَتَبَيَّنُوْٓا اَنْ تُصِيْبُوْا قَوْمًاۢ بِجَهَالَةٍ فَتُصْبِحُوْا عَلٰى مَا فَعَلْتُمْ نٰدِمِيْنَ﴾ (سورۃ الحجرات: ۶)

اے ایمان والو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو (پہلے) اس کی تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ لاعلمی میں (بغیر تحقیق کے) تم کسی پر جا

پڑو (حملہ کر کے نقصان پہنچا دو) اور کل تمہیں اپنے کئے پر نادم ہونا پڑے۔

جب بھی کوئی فاسق و فاجر آدمی تمہیں کوئی بات بتائے یا کہیں سے پروپیگنڈہ سننے کو ملے یا کوئی نام نہاد اسکالر تمہیں کوئی نئی بات سنادے، دین کے اندر کوئی نیا پیوند لگادے تو اہل علم سے پوچھ لو، تحقیق کر لو، اس سے پہلے کہ تم جہالت میں پڑ جاؤ اور پھر بعد میں تمہیں شرمندگی اور ندامت اٹھانی پڑے، اس سے پہلے پوچھ لو اور طریقہ بھی یہی ہے کہ آدمی ایسی صورت حال میں فوراً اہل علم کے پاس پہنچ جائے اور ان سے پوچھے۔ اس لئے کہ پیارے رسول ﷺ نے امت کی رہنمائی فرمائی ہے کہ حتی الامکان اہل علم کی جماعت کے ساتھ جڑے رہو۔

ایک بے بنیاد اعتراض

عموماً آج کل یہ بات سننے کو ملتی ہے کہ جی آج کل تو علماء ربانیین ہی نہیں رہے تو اب کس کی مانیں۔ اچھا بھائی اگر نہیں رہے تو پھر اس کا مطلب ہے کہ غامدی جیسوں کو عالم بنالیں، وہ نعوذ باللہ قیامت کا بھی انکار کر رہا ہے۔ مرنے کے بعد کی زندگی کا بھی انکار کر رہا ہے، اب آپ کس طرف جائیں گے۔

میرے عزیزو! الحمد للہ جب تک قیامت نہیں آجاتی، علماء ربانیین موجود رہیں گے اس لئے کہ اللہ نے دین کا قیام ان کے ساتھ وابستہ کیا ہے اور جب یہ ختم ہو جائیں گے تو قیامت برپا ہوگی اس لئے جب تک قیامت نہیں آتی تو الحمد للہ اہل علم اور علماء ربانیین باقی رہیں گے۔ بہر حال علماء بھی بشر ہیں، معصوم نہیں ہیں اس لئے ان سے بھی غلطی ہو سکتی ہے۔ لیکن اتنی بات ضرور ہے کہ عالم ربانی دین کے پہنچانے میں

خیانت نہیں کرے گا، اس لئے فرمایا کہ اپنے آپ کو ان کے ساتھ جوڑے رکھو۔

اللہ رب العزت کا فرمان ہے:

﴿ أَلَا إِنَّ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ لَا خَوْفٌ عَلَيْهِمْ وَلَا هُمْ يَحْزَنُونَ ۝ الَّذِينَ آمَنُوا وَكَانُوا يَتَّقُونَ ﴾ (سورۃ یونس ۶۲-۶۳)

اللہ کے دوست وہ ہیں جن پر خوف اور غم نہیں ہوگا (اللہ کے دوست وہ ہیں) جو ایمان اور تقویٰ والے ہیں۔

امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

" إِنْ لَمْ يَكُنِ الْعُلَمَاءُ أَوْلِيَاءَ اللَّهِ فَلَيْسَ لِلَّهِ وَلِيٌّ "

([illegible])

اگر اہل علم اللہ کے ولی نہیں ہیں تو پھر اس زمین پر اللہ کا ولی کوئی ہو ہی نہیں سکتا۔

علماء کی اہانت خطرناک ہے

حضرت عبداللہ بن مبارک رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے:

" مَنِ اسْتَخَفَّ بِالْعُلَمَاءِ ذَهَبَتْ آخِرَتُهُ " ([illegible])

جس نے علماء کی اہانت کی اس کی آخرت برباد ہوگئی۔

" وَمَنِ اسْتَخَفَّ بِالْأُمَرَاءِ ذَهَبَتْ دُنْيَاهُ " ([illegible])

جس نے حکمرانوں کی اہانت کی اس کی دنیا گئی۔

ظاہر ہے حکمرانوں کی اگر اہانت کرو گے تو جیل بھیج دیں گے۔ دنیا جائے گی، کاروبار جائے گا اور فرمایا:

" وَمَنِ اسْتَخَفَّ بِالْإِخْوَانِ ذَهَبَتْ مُرُوءَتُهُ " ([illegible])

جس نے اپنے دوستوں کی اہانت کی تو اس کی مروت گئی۔

حافظ ابن عساکر رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ

"لُحُوْمُ الْعُلَمَاءِ مَسْمُوْمَةٌ وَعَادَةُ اللّٰهِ فِيْ هَتْكِ أَسْتَارِ مُنْتَقِصِيْهِمْ مَعْلُوْمَةٌ، وَمَنْ أَطْلَقَ لِسَانَهُ فِي الْعُلَمَاءِ بِالثَّلْبِ ابْتَلَاهُ اللّٰهُ تَعَالٰى قَبْلَ مَوْتِهِ بِمَوْتِ الْقَلْبِ"

([illegible])

ترجمہ: "علماء کرام کے گوشت (یعنی غیبت) انتہائی زہریلے ہیں، اور ان کی شان میں گستاخی کرنے والوں کی پردہ دری میں اللہ کی عادت سب کو معلوم ہے (کہ جو لوگ علماء کی اہانت کرتے ہیں اللہ تعالیٰ ان کی پردہ دری فرماتے ہیں) جو شخص اپنی زبان کو علماء کے بارے میں عیب جوئی کے لئے کھلا چھوڑتا ہے تو اللہ رب العزت ان کی موت سے پہلے اس کے دل کو مردہ بنا دیتے ہیں۔"

علماء سے بغض رکھنے کا نقصان

یہ بھی لکھا گیا ہے کہ علماء سے بغض رکھنے کے نتیجے میں پہلا نقصان یہ ہوتا ہے کہ بغض رکھنے والا علماء کی تعلیمات سے محروم ہو جاتا ہے۔

حضرت ابو درداء رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے:

"اُغْدُ عَالِمًا أَوْ مُتَعَلِّمًا أَوْ مُسْتَمِعًا أَوْ مُحِبًّا وَلَا تَكُنِ الْخَامِسَ فَتَهْلِكَ" (جامع بیان العلم [illegible])

عالم بنو یا علم سیکھنے والے بنو یا علم کی باتیں سننے والے بنو یا ان اہل علم سے محبت کرنے والے بنو اور پانچویں نہ بننا یعنی علماء سے بغض رکھنے والے نہ بننا ورنہ ہلاک ہو جاؤ گے۔

آپ نے مرغا دیکھا ہوگا، صبح صبح اذان دیتا ہے۔ حضور ﷺ نے اسے بھی برا

بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے اس لئے کہ یہ نماز کی طرف بلاتا ہے۔

"قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ ﷺ لَا تَسُبُّوا الدِّیْکَ فَاِنَّہٗ یُوْقِظُ لِلصَّلٰوۃِ"

(ابوداؤد باب فی الدیک والبھائم ج۲ ص۳۴۳)

حضور نے فرمایا: مرغے کو گالی مت دو اس لئے کہ یہ لوگوں کو نماز کے لئے جگاتا ہے۔

اللہ کے نبی نے ایک بے زبان پرندے کو صرف اس بنیاد پر برا بھلا کہنے سے منع فرمایا ہے کہ وہ لوگوں کو نماز کے لئے بیدار کرتا ہے۔ اس سے اندازہ کر لیجئے کہ جن علماء ربانیین نے اپنی زندگیاں اللہ کے دین کے لئے وقف کر رکھی ہیں اور دن رات دین کے غم اور فکر میں لگے رہتے ہیں ان کے ساتھ بغض رکھنا اور بدگمانیاں کرنا کتنی بڑی اور خطرناک بات ہے، اس لئے ان سے بغض رکھنے والے افراد کو اپنے ایمان کی فکر کرنی چاہئے کیونکہ یہ لوگ ایسے افراد کے ساتھ بغض رکھ رہے ہیں جن کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا ہے:

﴿وَمَنْ اَحْسَنُ قَوْلًا مِّمَّنْ دَعَا اِلَی اللّٰہِ﴾ (سورۃ حم السجدۃ ۳۳)

اس سے اچھی بات کس کی ہو سکتی ہے جو لوگوں کو اللہ کی طرف متوجہ کرتا ہے۔

دنیا میں اس شخص سے بہتر کلام کس کا ہو سکتا ہے جو لوگوں کو اللہ کے دین کی طرف بلائے لیکن چونکہ شیطان دین سے محروم کرنا چاہتا ہے تو وہ لوگوں کو علماء کی اہانت اور توہین کی راہ دکھاتا ہے اس لئے کہ اسے پتہ ہے کہ دین سے محرومی کا راستہ یہی ہے کہ عوام کو علماء سے دور کر دو ان کے درمیان بدگمانیاں پیدا کر دو اس لئے کہ جب یہ علماء کی صف اور گروہ سے دور ہو جائیں گے تو کوئی بھی بھیڑیا انہیں آسانی سے اچک لے گا۔

تو میرے عزیزو! فتنوں سے بچنے کی ایک صورت یہی ہے کہ علماء کی عظمت اور احترام دل میں ہو اور ان سے دین سیکھا جائے اسی لئے حضرت حسن بصری رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"اَلدُّنْیَا کُلُّھَا ظُلْمَۃٌ اِلَّا مَجَالِسَ الْعُلَمَاءِ" (جامع بیان العلم وفضلہ ص ۱۰۹)

ساری دنیا اندھیرا ہی اندھیرا ہے سوائے علماء کی مجالس کے۔

حضرت سخاوی رحمہ اللہ فرمایا کرتے تھے:

"اِنَّمَا النَّاسُ بِشُیُوْخِھِمْ فَاِذَا ذَھَبَ الشُّیُوْخُ فَمَعَ مَنِ الْعَیْشُ؟"
(فتح المغیث ج ۲ ص ۳۲۰)

"لوگ اپنے شیوخ (اہل علم اور ماہرین اساتذہ) کی وجہ سے (کسی قابل) ہوتے ہیں، جب شیوخ ہی چلے گئے تو پھر زندگی کس کے ساتھ ہے؟ (یعنی زندگی کی گاڑی کیسے چلے گی؟)"

زندگیاں تو اکابر اور بزرگوں کے ساتھ ہوتی ہیں اور جب اکابر اور بزرگ ہی دنیا سے چلے جائیں تو پھر زندگی کا مزہ نہیں رہتا، پھر ایمان کہاں بچ سکتا ہے؟ دین کہاں بچ سکتا ہے؟ ان برگزیدہ لوگوں کی کمی اور عدم موجودگی کی بنا پر امت انتشار و افتراق کا شکار ہو جاتی ہے، آپس کی محبت اور تعلق کمزور پڑ جاتا ہے، قومیت، لسانیت، بے دینی، جدت پسندی، عقل پرستی، دولت پرستی اور شخصیت پرستی کے خوابیدہ فتنے پھر سے سر اٹھانے لگتے ہیں، بہت بڑے بڑے نقصانات ہوتے ہیں اور دشمنان دین کو دین اسلام اور مسلمانوں پر حملے کرنے کے کھلے مواقع دستیاب ہو جاتے ہیں۔

تو میرے دوستو! فتنوں سے بچنے کی یہی تین صورتیں ہیں۔ اللہ کے سامنے گڑگڑا کر دعائیں کی جائیں، اچھے دوست بنائے جائیں، سوسائٹی اچھی بنائی

جوڑے، اہلِ علم کے ساتھ تعلق بنایا جائے، ان سے دین سیکھا جائے، علم سیکھا جائے۔ ان سے مفید کتابوں کے بارے میں رہنمائی لے کر ان کا مطالعہ کیا جائے اور اگر کوئی بات نئی ہو جو طبیعت پر بوجھ بن رہی ہو، کوئی انتشار ذہن میں آگیا ہو، کوئی اختلاف پیدا ہو گیا ہو تو فوراً اہلِ علم سے رجوع کر لیا جائے تاکہ معاملہ صاف ہو جائے ورنہ آہستہ آہستہ یہ چیز آدمی کو شک میں ڈال دیتی ہے اور بندے کا ایمان بھی خراب کر دیتی ہے۔

اللہ تعالیٰ لکھنے اور سننے سے زیادہ عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ (آمین)

وَآخِرُ دَعْوَانَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ

اسلام

اسلامی عقائد و نظریات کو عام فہم اور مختصر اسلوب میں بیان کرنے والی ایک بے مثال کتاب جس میں اسلامی تعلیمات کا مکمل اور مختصر تعارف پیش کرنے کے ساتھ ساتھ تعلیم یافتہ طبقے میں جدید فلسفۂ حیات سے پیدا ہو جانے والے شکوک و شبہات کا جواب بھی دیا گیا ہے۔

عہدِ حاضر میں ہر مسلمان کی ضرورت

مرتب: حضرت مولانا عبدالستار صاحب مدظلہ

ناشر: مکتبہ فہم دین، ڈیفنس فیز ہ

فون: 021-4255122

www.fahmedeen.org